ایوانِ تصوّر

یعنی

بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو کی انگریزی نظموں اور غزلوں کا

دلکش و آزاد اُردو ترجمہ!

مؤلفہ

ظفر قریشی دہلوی بی اے

دارالادب پنجاب بارود خانہ سٹریٹ لاہور

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپی اور
یعقوب الحسن پبلشر نے دفتر دارالادب بارود خانہ سٹریٹ لاہور سے شایع کی

فہرستِ مندرجاتِ کتاب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مسز نائیڈو کا پیغام خواتین کو	
۲	مسز سروجنی نائیڈو	
۳	شریمتی سروجنی نائیڈو	

"آستانۂ زرّیں"

(ج) نظمیں

"مُرغِ عصر"

(الف) نغماتِ محبّت و موت

(ب) نغماتِ بہار

(د) نغماتِ زندگی

بازوئے شکستہ

زِندگی، موت، یادگاریں

(ج) نغماتِ طاؤس

(د) محبّت کا مندر

"بابِ مسرّت۔ سیلابِ اشک۔ حرمِ عشق"

مسز نائیڈو کا پیغام خواتین کو

(ہمایوں کے ذریعے سے)

مسز نائیڈو نے میری درخواست پر اُردو میں خاص ہمایوں کیلئے اپنا یہ پیغام لکھوایا۔ اُن کے خیالاتِ عالیہ کے اظہار سے جیسی کہ میری توقع تھی میں بے حد متاثر ہوا لیکن اُردو میں اُنکی طرزِ زبان و بیان پر بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ اگر انگریزی کی شاعرہ ہیں تو اُردو کی ادیب کیوں نہ ہوں؟ اِس سے ظاہر ہے کہ بہت سے اہلِ ذوق جنہیں ہم اُردو سے بے بہرہ سمجھتے ہیں فی الحقیقت ہماری زبان کا صحیح مذاق رکھتے ہیں۔

اس کے بعد کون شک کر سکتا ہے کہ اُردو ہی ہندوستان کی مُلکی زبان بن سکتی ہے۔ کیونکہ یہی دراصل مُلکی زبان ہے!

مجھے سخت افسوس ہے کہ مَیں اُردو زبان مکمل طور سے نہیں جانتی ہُوں مگر چونکہ آپ اس طرح اصرار کرتے ہیں مَیں اپنی ناشُستہ شکستہ زبان میں اپنے ناچیز خیالات ترقیٔ نسوان کے متعلق پیش کرتی ہوں۔

میرے خیال میں عورتوں کی تعلیم اور انکی اخلاقی اور اقتصادی آزادی پر ہی آئندہ تمدن موقوف ہے۔ اور یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ رسُولِ خدا کیطرف سے یہ بُنیادی حق خواتین کو عطا ہُوا۔ اور دُنیا کی تاریخ میں اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو صریح قانونی حقوق دیئے۔ تاکہ وہ کسی کی محتاج نہ ہوں اور خود اپنی قومی اور مذہبی ذمّہ داریوں کو پُورے طور سے ادا کر سکیں۔ موجودہ زمانے کی مسلمان عورتوں کے لئے زندگی کا بہترین نصبُ العین یہ ہے کہ وہ قدیم زمانے کی مشہور و معروف خواتین کی رُوحانی صفات اور جدید زمانے کے قابلِ تعریف و تقلید خیالات و جذبات کے مِلاپ کی ایک زندہ مثال بنیں۔ اُنہیں چاہئیے کہ وہ اپنے نفس بلکہ اپنی ہر حرکت اور ہر جُنبش میں بنظیرِ قدیمی شرم و حیا اور ایثار و وفا اور ساتھ ہی جدید وُسعتِ نظر خود اعتمادی اور عالمگیر ہمدردی کا اظہار کریں۔

اگرچہ میں نے یہ پیغام خاص اپنی مسلمان بہنوں کے لئے دیا ہے لیکن بحیثیت ایک ہندو عورت کے جسکی پرورش ہندو مسلم اتّحاد کی آغوش میں ہوئی ہے میں اضافہ کرتی ہوں کہ وہی نصب العین جس کا میں نے ذکر کیا ہے تمام ہندوستانی بلکہ تمام ایشیائی عورتوں کے لئے زندگی کا بہترین نصب العین ہے۔ مختصر یہ کہ مشرقی عورت کو قدیم حُسن و خوبی کا خزانہ اور جدید تعلیم و تہذیب کے بہترین جوہروں کا آئینہ ہونا چاہیئے ؎

ظفر قریشی، بی۔ اے۔ دہلوی

شریمتی سروجنی نیڈو

مسز سروجنی نائیڈو

ہندوستان کی عام جہالت اور پستی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے بجا ہے لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی چند افراد اس سرزمین میں ایسے موجود ہیں جن پر دُنیا کے مہذب سے مہذب ملک کو بھی فخر کا موقعہ ہو سکتا ہے۔ اِن منتخب افراد میں مسز سروجنی نائیڈو کو کئی وجوہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اوّل تو آپ ہندوستانی خواتین کے زمرہ میں شامل ہونے کی وجہ سے اُس بے زبان فرقہ کی ترجمان ہیں۔ جو اپنے تعلیمی و معاشرتی نقائص کی وجہ سے جہالت اور پستی کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ دوسرے اس ملک میں تو جو ۱۰۔ مذہبی اختلاف کی وجہ سے جو فرقہ بندی اسوقت موجود ہے۔ مسز نیڈو نے اُس کی قید سے خود کو آزاد رکھ کر ملک کے تمام فرقوں کی نگاہ میں اپنے ہر دلعزیز وقار کو ایسی

مستقل بنیاد پر قایم رکھا ہے کہ تفرقہ کی کوئی طاقت اسکو متزلزل نہیں کرسکتی
نیز اُن کے گوناگون محاسن اور انکی انگریزی شاعری نے اپنے ملک اور اپنے ملک
والوں سے گذر کر انکی شہرت کا سکہ دنیا کے دُوسرے مہذب ممالک میں بھی بٹھا
دیا ہے۔ اور دُنیا کے تقریباً ہر مہذب ملک میں انکی سحر بیانی اور ادبی کرشموں
کی داد دینے والے موجود ہیں۔ فطرت نے اُن کے لئے اپنی عمومی کفائیت شعاری
سے انحراف روا رکھ کر انکو زبان اور قلم دونوں پر تصرف عطا کیا ہے۔ اور دِل و
دماغ دونوں کی برکتیں انکی ذات میں جمع کردی ہیں۔ اِن وہبی صفات کو کامل نشو و
نما دینے کے لئے قضا و قدر نے انکو ایسے ماحول میں پیدا کیا جو کمالات علمی کے اکتساب
کے لئے غائیت درجہ موزون تھا۔ انکی پیدائش بنگال کے ایک معزز و ممتاز فرد ڈاکٹر
اگھور ناتھ چٹو پادھیا کے گھر میں ہوئی جنھوں نے حیدر آباد دکن کی رفیع الشان
اسلامی ریاست میں توطن اختیار کرکے اپنی زندگی کو تعلیم و تعلم کے لئے وقف کر دیا
تھا۔ اس طور پر مسز نائیڈو ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئیں۔ لیکن ابتداء سے مسلمان
گھرانوں میں انکی آمد و رفت و میل ملاقات رہی اور دونوں جماعتوں کی معاشرتی

خصوصیات سے مستفید ہونے کا موقعہ اُنکو حاصل رہا۔ اُن کے والد چونکہ نہائیت

روشن خیال اور علمدوست آدمی تھے مسز نیڈو کی تربیت و تعلیم اِس ملک کے

عام رُجحان کے خلاف نہائیت عمدہ اصُولوں پر ہوئی۔ انگریزی زبان اُنہوں نے

بچپن ہی میں سیکھ لی۔ اگرچہ اُن کا اپنا بیان اِس امر کا شاہد ہے۔ کہ شروع شروع

میں اُنکو اس غیر زبان کو اختیار کرنے میں بہت تکلّف و تامل ہوا لیکن اُن کے

والد کی ترغیب و راہنمائی نے آخر کار انکی انگریزی اِستعداد کو اس درجہ ترقی دی

کہ ایک غیر زبان عادتِ ثانی کی حد سے گذر کر فطری زبان ہو گئی۔ زباندانی کے

ساتھ شاعری کا شوق بھی اوائل عمر ہی میں پیدا ہو گیا۔ تیرہ برس کی عمر میں نظم کا

کافی سلیقہ پیدا ہو گیا۔ اور چودہ سے سولہ برس کی عمر تک سروجنی چٹوپادھیا نے اپنے

مطالعہ کو اس قدر وُسعت دی کہ انگریزی زبان کی اکثر متعارف کتابیں اُنکی نظر سے

گذر گیئیں ۱۸۹۵ء میں جب انکی عمر تخمیناً سولہ سترہ برس کی تھی۔ اُن کے والدین نے

مزید تعلیم کی غرض سے انکو انگلستان بھیجدیا۔ اور نظام کی فیاض سرکار نے خاص

وظیفہ عطا کر کے اِس کارِ خیر میں سہولت بہم پہنچا دی۔ اِنگلستان میں تین سال قیام

رہا۔ اوّل کنگز کالج لنڈن اور اُسکے بعد گرٹن میں تعلیم پائی۔ اور اس اثنا میں اٹلی کا بھی سفر کیا۔ یہ ملک گذشتہ دو سو سال سے فنونِ لطیفہ کے شایقین کا مرجع بن گیا ہے۔ اور اٹلی کا سفر اکثر مغربی شعرا اور صنّاعوں کی ابتدائی تعلیم و تجربہ کا ایک ضروری جزو رہا ہے۔ قیاس یہ چاہتا ہے کہ اِس ملک کی قدرتی خوبیوں اور انسانی کرِشموں نے سروجنی کی شاعرانہ طبیعت کو اُبھارنے میں ضرور مدد دی ہو گی۔ اِس کے عِلاوہ اُنکی ذاتی کشش اور خداداد ذہانت نے انگلستان کے بعض واقفکار ادیبوں کو اُنکا گرویدہ بنا کر اُن کے لئے اپنی شاعرانہ استعداد کو ترقی دینے کے بیش نظیر مواقع پیدا کر دیئے۔ اُس وقت تک انکی شاعری انگریزی شعراء کی تقلید کی پابند رہی تھی اور اندیشہ تھا کہ یہ تقلید اُنکی شاعرانہ طبیعت کے جوہرِ اصلی کو ضایع کر کے انکی شاعری کو انگریزی شاعری کی نقل محض اور انگریزی جذبات کی صدائے بازگشت بنا دے لیکن یہ ادیب (جن میں اڈمنڈ گاس اور آرتھر سائمن کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے) اِس غریب الوطن اور نوعمر شاعرہ کے لئے خضرِ راہ بن گئے۔ اور اُسکو اپنے کمال کے اظہار کا صحیح راستہ دکھا دیا۔ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ زبان اور عروض کی مشکلات پر عبور

حاصل کرنے کے بعد جو ہندوستانی شاعر انگریزی میں اپنے جذبات و خیالات کے
اظہار پر آمادہ ہو اُس کے لئے صحیح مسلک یہ نہیں کہ دوسرے انگریزی شعراء کی
کیاریوں سے گلچینی کر کے ایک خوشنما گلدستہ تیار کر دے۔ بلکہ اُس سے یہ توقع
کیجاتی ہے۔ کہ اُس کے پھُولوں میں اسکی فطری سرزمین کا رنگ بُو موجود ہو۔ اُسکی
شاعری میں ہندی جذبات کی گرمی۔ ہندی قلب کا تموج اور ہندی خیالات کی
تحریک ہونی چاہیئے۔ اور اسکی بناء اُن قدیم روحانی محسوسات و اعتقادات پر ہونی
چاہیئے۔ جو مشرق میں اُسوقت سے موجود رہے ہیں جب مغرب کو روح کی ہستی
تک کا گمان نہ تھا۔ سروجنی نے اِن نصائح کو ہونہار طبائع کی جبلّی سعادتمندی کے
ساتھ قبول کر لیا۔ اور اپنے کلام کے انداز کو بدلکر اُس میں وہی رنگ پیدا کرنیکی کوشش
کی جسکی اِن مہربان ناصحوں کے ذوقِ سلیم کو تلاش تھی۔ غرضکہ سروجنی کے قیامِ انگلستان
کا بیشتر زمانہ علمی و ادبی صحبتوں میں بسر ہُوا لیکن صحت کی خرابی اور بعض خانگی
مناقشات نے انکو ۱۸۹۸ء میں مراجعتِ وطن پر مجبُور کیا اور اسکے چند دنوں کے
بعد ڈاکٹر گوونڈرجلو نیڈو سے اُن کا عقد ہو گیا۔ چونکہ سروجنی کا خاندان اونچی ذات کے

برہمن ہیں اور ڈاکٹر نیڈو برہمن نہیں۔ اِس لئے جانبین کے رِشتہ دار اس تعلق کے

مخالف تھے۔ اور اُسوقت غالباً اِسکے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہوئی ہونگی

لیکن آج جبکہ ذات پات کے بندھن ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ اور بین الاقوام ازدواج

روزمرہ کی بات ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نیڈو اور سروجنی چٹو پادھیا کا بیاہ کسی توضیح و

تشریح کا محتاج نہیں اور نہ اُس پر کسی سمجھ دار آدمی کو حرف رکھنے کی گنجائش ہو سکتی

ہے۔ شاعر کی حسّاس طبیعت خارجی قیود کی برداشت سے قاصر ہے۔ اور جو دل

عالم خیال میں اجتہاد کی کان ہو اُس سے عملی دُنیا میں رسم و رواج کی خاموش

تقلید کی توقع رکھنی محض خیالِ خام ہے ✣

شادی کے بعد سے لیکر آجتک سروجنی نیڈو کی زندگی ملک کیخدمت کیلئے

وقف رہی ہے۔ اور اُن کے عملی کارنامے ہندوستان کے عہدِ حاضر کی تاریخ کا

ایک جزو ہیں جنکی تفصیل اِس مختصر مضمون میں نہیں سما سکتی۔ اُنکی شاعری اُنکی

زندگی کا جزو لاینفک ہے لیکن یہ وہ جزو نہیں جو کُل پر حاوی ہو جائے۔ اور میں اِسکو

ملک کی خوبی قسمت خیال کرتا ہُوں۔ کہ شاعری نے اُنکی قوتِ عمل کو کُند نہیں

کردیا ہے۔ ہمارے ہاں تو بعض لوگ شاعری کو بیکاری کا مشغلہ تصور کرتے ہیں

ہیں لیکن عام طور پر شاعری اور شعراء کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے

کہ اکثر شاعر عملی دنیا میں وہ تگ و دو نہیں کر سکتے جو خیالی دنیا میں کرتے ہیں۔ اور

انکی طبیعت کی جولانی واقعات سے مقابل ہونے پر سرد پڑ جاتی ہے۔ لیکن مسز

نیڈو اِس اعتبار سے مستثنیات میں شمار کرنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ انکی ذات ملک

کیلئے مختلف النوع برکات کا سرچشمہ ہے۔ اگر صرف اُن کے وہی کام لے لئے

جائیں جو رفاہِ عام کی ذیل میں آتے ہیں۔ تو وہ کسی فردِ واحد کے لئے سرمایۂ زندگی

بننے کو کافی ہیں۔ مثال کے طور پر اُس جانفشانی کو لیجئے۔ جو اُنہوں نے موسیٰ

ندی کی عظیم طغیانی کے وقت حیدرآباد میں دکھائی تھی اور جسکی داد حکومت سے

قیصر ہند کے طلائی تمغہ کی شکل میں ملی تھی۔ یہ انکی بیش بہا انسانی خدمات

میں سے صرف ایک خدمت ہے۔ اُنکی سیاسیات کی آزادانہ تنقید کا نہ

راقم الحروف کو موقعہ حاصل ہے اور نہ ایک ادبی صحیفہ کے اوراق اِس قسم

کی بحث کے لئے موزون ہیں۔ لیکن جہاں تک انکی سیاسی جدوجہد کا منشاء

اپنے ابنائے ملک کی فلاح و بہبود اور ہندوستان کی مختلف جماعتوں اور خصوصاً ہندو مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا قایم کرنا ہے۔ اُنکی کارگذاری پر کسی حق پسند شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مسز نیڈو کی سیاسی اور معاشرتی کوشش کا سب سے قوی سامان انکی زبان ہے جسے قدرت نے سحر بیان عطا فرمایا ہے۔ اُنکی شاعری کا اثر تو صرف ان لوگوں تک محدود رہتا ہے جو شعر فہم ہونے کے مدعی ہیں۔ لیکن انکی فصیح و بلیغ تقریر نے اُن کے بیان کی لطافت کا ہر قسم کے لوگوں کو قایل کر دیا ہے۔ اُنکی نثر میں بھی وہی شیرین الفاظ و نزاکت خیال موجود ہے۔ جو انکی نظم کا خاصہ ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ سمجھا جائے گا کہ اسوقت ملک کا کوئی مقرر سامعین پر اثر ڈالنے کی وہ قدرت نہیں رکھتا جو اس خاتون کو حاصل ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے لوگوں کی تقریر زیادہ مدلل ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ مسز نیڈو کی تقریر سے زیادہ دلنشین ثابت ہو۔ اگر تقریر کے محاسن کا وہی معیار تسلیم کر لیا جائے۔ جو غالب نے اپنے اس شعر میں قایم کیا ہے۔ کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
مَیں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

توکون یہ کہنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ مسز نیڈو کی تقریر تمام خوبیوں کی جامع نہیں ہے؟ اور اگر کبھی کبھی اُنکی زمزمہ سرائی تلخ نوائی میں منتقل ہو جاتی ہے تو اُسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اُنکی شاعرانہ طبیعت ناگوار واقعات کو معمولی طبائع سے بہت زیادہ محسوس کرتی ہے۔ اور اپنے گرم احساس کو معتدل الفاظ میں اظہار کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ شاعرانہ بیان میں دائمی اعتدال و سلامت روی کی تلاش ایسی ہی لاحاصل ہے جیسی کہ یہ توقع کہ کوئی دریا اپنی روانی کو ایک خطِ مستقیم کا پابند کرے۔ اور جسطرح دریا کا پانی باوجود اپنی طبعی صفائی کے خس و خاشاک سے مکدر ہو سکتا ہے اسی طرح شاعر کی تقریر بھی اپنی شیریں کلامی کے باوجود تلخ و تیز الفاظ سے ملوّث ہو سکتی ہے۔ مسز نیڈو کی جادو بیانی اُنکی عام تقریر اور خاص گفتگو دونوں میں یکساں طور پر اپنا عمل کرتی ہے۔ جن لوگوں کو اُن سے ذاتی ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ وہ میرے اِس قول کی تائید کرینگے۔ کہ اُن کا معمولی سے

معمولی فقرہ بھی اپنی بندشِ الفاظ کے لحاظ سے کسی نظم کا ٹکڑہ معلوم ہوتا ہے۔ اُنکی
گفتگو نہ صرف ذہنی لطافتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ بلکہ اُس میں وہ خلوص اور ہمدردی
پائی جاتی ہے جو مخاطب کو تسخیر کر لیتی ہے۔ بعض لوگوں کی باتوں میں چمک دمک تو
ہوتی ہے لیکن برف کی سی چمک جسکی سرد مہری سامع کے دِل و دماغ کو منجمد کر دیتی
ہے۔ اِس کے خِلاف مسز نیڈو کی دُر افشانی خورشید کی تابندگی کے مانِند ہے
جو سرد سے سرد طبیعت کو بھی پگھلا دیتی ہے۔ غالباً یہی انکی غیر معمولی ہر دل عزیزی
کا سب سے بڑا راز ہے۔ کیونکہ یہی صفت ہے کہ جو ہر ایک شخص کو جسے ایک مرتبہ بھی ان
سے مُلاقات کا اِتفاق ہو جائے عُمر بھر کے لئے اُن کا گرویدہ اور ثنا خوان بنا
دیتی ہے۔

مِسز نیڈو کی شاعری بجائے خود ایک وسیع مضمون ہے۔ اور چونکہ وہ تمام و
کمال انگریزی زبان میں ہے۔ اِس لئے اُردو میں اسکی مفصّل تنقید اگر ناممکن نہیں
تو مشکل ضرور ہے۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ اوّل اُن اثرات کو واضح کیا جائے
جو اُنکی شاعری کے ارتقاء پر پرتو فگن ہوئے۔ اُس کے بعد انکی شاعری کا تقابل اور

موازنہ دیگر انگریزی شعراء کے کلام کے ساتھ کر کے اُسکی خصوصیات کو واضح کیا جائے

اور آخر میں یہ تعیّن کیا جائے کہ انگریزی نظم میں اُن کا کیا پایہ ہے۔ ظاہر ہے

کہ اگر اُردو زبان میں اِن تمام مباحث کے لئے وُسعت بھی ہو تو وہ نقّاد کہاں جو

اُن سے کشمکش کر سکے؟ لھٰذا یہاں صِرف اِسی قدر ہو سکتا ہے۔ کہ ایک اجمالی تبصرہ

ناظرین کے پیشکش کر دیا جائے۔ یہ بیان اوپر آچکا ہے کہ مسز نیڈو کو اپنے طالبعلمانہ

قیامِ انگلستان میں اپنی علمی اور شاعرانہ استعداد کو ترقی دینے کے خاص مواقع نصیب

رہے۔ اِنگلستان میں اُسوقت سوئن برن۔ موریس اور روزیٹی کا اثر غالب تھا اور

انگریزی نظم میں نئی نئی گُلکاریاں اور رنگ آمیزیاں ہو چکی تھیں۔ مذکورہ بالا شعراء

اور اُن کے معاصرین نے جو رنگ پیدا کر دیا تھا وہ اگرچہ بہت حد تک تو اُس

آفتابِ شاعری کے غرُوب کی شفق تھا جو اُنیسویں صدی کے شروع میں ورڈزورتھ

بائرن اور شیلے کے عروج کے ساتھ طلوُع ہُوا تھا لیکن تاہم موسمِ خزاں کی کسی سُہانی

شام کی مانند نظر فریب ضرور تھا۔ اِن شعراء کی سعی سے انگریزی شاعری نے زبان

کے اِعتبار سے نئی لطافتیں اختیار کر لی تھیں۔ اور شاعری موسیقی کے نصب العین

کے قریب ہو گئی تھی تخیل کے اعتبار سے اسکی حدود مصوری کے قریب پہنچ گئی تھیں۔
اور فنِ مصوری کے اصول شاعری میں جھلکتے نظر آتے تھے۔ شاعری کو دیگر فنونِ لطیفہ
سے ہمیشہ لگاؤ رہا ہے۔ اور اس میں مصوری اور موسیقی دونوں کے اجزاء ابتداء سے
شامل رہے ہیں۔ خصوصاً موسیقی اور شاعری کا قدیم اور قریبی رابطہ بالکل بیّن اور واضح ہے
لیکن اس دور کے انگریزی شعراء کی غالباً سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ انہوں نے
مصورانہ تخیلات کو سُریلے الفاظ میں منظوم کرنیکی خاص طور پر مہارت بہم پہنچائی تھی اس
میلان کا اثر ہماری شاعرہ کے کلام پر بھی پڑا۔ اور جہاں تک وہ اثر مسز نیڈو کی نظموں
کو فردوسِ گوش بنانے میں مدد دیتا ہے اسکو مفید کہنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا
لیکن اس اثر کا ایک مضر پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض دفعہ محض سُریلے الفاظ کو شاعرانہ
کلام کا مترادف خیال کر لیا جاتا ہے۔ یا پڑھنے والے کی توجہ الفاظ کے نغمہ میں اس قدر
اُلجھ جاتی ہے۔ کہ نظم کا مفہوم بالکل نظر انداز ہو جاتا ہے۔ شاعری کا مدعا محض ایک نغمۂ
صوات کی تخلیق نہیں۔ اُس کا دائرۂ تخلیق اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ خوش آواز
الفاظ کا بڑھا ہوا شوق بعض دفعہ شاعری کو محض لفاظی کے درجہ تک گرا دیتا ہے۔ حق

پسندی کا تقاضا اِس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کرتا ہے کہ یہ عنصر اثر بھی مسز سروجنی نیڈو کی ابتدائی نظموں میں بالکل مفقود نہیں ہے ۔

بادی النظر میں یہی امر کچھ کم حیرت خیز نہیں کہ کوئی ہندوستانی انگریزی میں شعر کہے ۔ اصلی شاعری تمام و کمال فطرت پر مبنی ہے ۔ اور اُس کا اظہار فطری طور پر اپنی ہی زبان میں ہو سکتا ہے لیکن خواہ اسے ہنر کہئے یا عیب مگر یہ واقعہ ہے کہ ہندوستانیوں کو غیر زبانوں کے اختیار کرنے اور اُن زبانوں کو اپنے شاعرانہ خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنانے میں عرصہ دراز سے ایک خاص ملکہ حاصل رہا ہے ۔ مثال کے طور پر فارسی کو لیجئے ۔ مسلمانوں کے عہد میں اِس زبان نے وہ رواج پایا کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی کثرت سے فارسی شعر کہنے لگے ۔ اور ہندوستان کی فارسی شاعری کے متعلق شیخ علی حزیں جیسے تنگخیال اہلِ زبان خواہ کتنی ہی ناک بھوں چڑہائیں اور "بوئے کچوری می آید" کی پھبتی اُڑائیں لیکن اِس ملک کے فارسی گو شعراء کے گروہ میں چند ایسے بھی ہیں جن کے کمال کی داد ہر ایک مُنصف مزاج شخص کو دینی پڑتی ہے ۔ عربی فارسی سے زیادہ مشکل الحصول زبان ہے لیکن

نطق ہندی لحن نجدی کے اختیار کرنے سے عاجز ثابت نہیں ہُوا۔ اور متعدد ہندوستانیوں
نے عربی نظم و نثر میں قابل قدر سلیقہ دکھایا ہے۔ انگریزی تعلیم کے بنگال میں رواج
پاتے ہی بنگالی شعراء کو انگریزی نظم کا شوق ہو گیا۔ اور اُن میں کم از کم دو شاعر اس پایہ
کے ہوئے کہ اُن کا کلام اہلِ زبان کی نگاہ میں بھی وقیع قرار پایا۔ اِن میں سے ایک
(ڈیروزیو) تو مخلوط النسل ہونے کی وجہ سے انگریزی کو غالباً مادری زبان کی طرح
استعمال کرتا تھا۔ لیکن مس تورو دت خالص بنگالی ہونے کے اعتبار سے مسز سروجنی
نیڈو کی حقیقی پیش رو تھیں۔ غرضکہ مسز نیڈو کی پیدائش سے بھی پہلے ہندوستان اور
خصوصاً بنگال میں انگریزی شاعری کی رسم جاری ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں انکی ابتدائی
تعلیم کے متعلق جو کچھ مذکور ہو چکا ہے اُسکو خیال میں رکھتے ہوئے یہ حیرت کسی قدر کم ہو جاتی
ہے کہ انہوں نے ہندوستانی ہو کر انگریزی زبان پر ایسی قدرت کیونکر حاصل کی کہ
اُس میں اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کر سکیں۔ اُنکی انگریزی زباندانی کی پُوری داد کوئی
اہلِ زبان ہی دے سکتا ہے لیکن جہاں تک ایک ہندوستانی سمجھ سکتا ہے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ محاورات اور الفاظ دونوں پر انکو کامل تصرف حاصل ہے اور ان کے استعمال

میں کوئی ایسی خامی یا نقص نہیں نظر آتا۔ جو اُن کے اِظہار کمال میں مانع ہو سکے انگریزی
شعراء کے کلام پر اُنکو پُورا عبُور ہے۔ اور اسکی ملاوٹ میں اُن کے اپنے کلام کی شکر ریزی
میں مدد دیتی ہیں۔ شاید میرا یہ خیال غلط نہیں کہ وہ شیلے کے کلام کی خاص طور سے
دِلدادہ ہیں۔ کیونکہ اُس کے کلام میں وہ نزاکت اور لطافت ہے جو بہ نسبت عام
آدمیوں کے شعراء کو زیادہ اپنی جانب جذب کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اب تک
جو کچھ بیان ہوا اُس سے یہ قیاس کر لیا جائے کہ مسز نیڈو کی شاعری انگریزی
یا مغربی شاعری کا عکس ہے۔ اور اُس میں مشرقی رنگ کی کوئی آمیزش نہیں
لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ اُنہوں نے مغربی شعراء کے ساتھ ساتھ مشرقی شعراء
کے مطالعہ کو بھی جاری رکھا ہے۔ اور فارسی اور اُردو زبان کے شعراء کا کلام نہایت
ذوق و شوق سے سُنتی ہیں۔ اور اپنی باریک بین طبیعت سے اُس پر ایسی تنقید
کرتی ہیں کہ بڑے بڑے شعر فہم محوِ حیرت ہو جاتے ہیں۔ اساتذہ اردو میں غالب
کا کلام خاص طور پر آپ کے مطبوع خاطر ہے۔ اور عہدِ حاضر کے شعراء میں اقبال کے
اشعار کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اِن دونوں شعراء کی خصوصیات کو

مدّنظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مسز نیڈو ایشیائی شاعری کے نکات سے کس درجہ واقف ہیں۔ راقم الحروف کو علم نہیں کہ سنسکرت اور ہندی شاعری سے واقفیت بہم پہنچانے کا انکو کہاں تک موقعہ ملا ہے لیکن انکی اپنی شاعری کے بعض پہلو ہندی شاعری سے نہائیت گہرا تعلق رکھتے ہیں جسکی کچھ تشریح بعد میں کیجائیگی۔ فی الحال اِس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ مسز نیڈو کی شاعری مغربیت اور مشرقیت دونوں کے اثرات سے مستفید ہوئی ہے ؂

متفرق نظموں کے علاوہ مسز نیڈو ۱۹۰۵ء سے لیکر ۱۹۱۷ء تک تین مستقل مجموعے پانچ پانچ برس کے وقفہ سے شائع کر چکی ہیں۔ اِن تینوں مجموعوں کے انگریزی ناموں کے ترجمے علی الترتیب اشاعت "طلائی آستانہ" "طائر وقت" اور "شکستہ پر" ہو سکتے ہیں۔ اور ایک حد تک یہ نام اُن نظموں کی نوعیت کے مظہر ہیں۔ جو اِن کتابوں میں جمع کیگئی ہیں۔ "طلائی آستانہ" میں پندرہ سے لیکر پچیس برس کی عمر تک کے کلام کا انتخاب ہے۔ اِن نظموں میں شاعرہ نے دنیا کی

دِلفریبیوں کے قصرِ طلائی کی دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ اور اُسے ہر ایک شئے اُس سنہری
ملمع سے چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جو عنفوانِ شباب میں اشیاء کے تاریک رُخ کو
ہماری نگاہ سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔ ہندوستان کے کسی قدیمی شہر اور خصوصاً
حیدرآباد جیسے شہر میں بیسیوں نظارے ایسے بھی ہوتے ہیں جو شاعر کے نازک
دماغ کو پراگندہ کر سکتے ہیں لیکن ابھی تک ہماری شاعرہ کی نگاہ اِن ناگوار نظاروں
پر سے اُچٹتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ اور اسکی نظر صرف اُنہی چیزوں پر جمتی ہے جو
اپنی خوشنمائی سے اُس کے دِل کو خوش کر سکتی ہیں۔ اور دِل اِس خوشی کا اِظہار
زبان سے ایسے نغموں میں کرتا ہے۔ جو سامع کو ہندی ٹھمریوں سے زیادہ لذت
بخشتے ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ خیالات میں پختگی آجاتی ہے۔ اور شاعر کی
نگاہ اشیاء کی ظاہری خوشنمائی سے تجاوز کر کے اُنکی باطنی حقیقت تک پہنچنے لگتی
ہے۔ اور اُس پر یہ حال مُنکشف ہوتا ہے کہ دُنیا صرف سُہانے رنگوں اور سُریلی
آوازوں سے مرکب نہیں۔ بلکہ اِس میں بہت سے بدنما رنگ اور کرخت سُر بھی
ہیں۔ جِن کا تقابُل ہمیں اپنے دِل فریب خواب سے چونکا کر مجبور کرتا ہے کہ ہم اِس

دنیٔ ملمع کو اُلٹ کر دیکھیں کہ اُس کا اُلٹا رُخ کیسا ہے۔ اور اس بے سُرے نغمہ کو کان لگا کر سُنیں اور غور کریں کہ آیا اُسکی کوئی لَے ہے؟ "طائرِ وقت" کی نظمیں زبان و تخیل دونوں کے لحاظ سے اِس کا پتہ دیتی ہیں کہ ہماری شاعرہ کے کلام میں اب وہ پختگی پیدا ہو گئی ہے جو فطرت کے غائر مطالعہ سے اخذ کیجاتی ہے۔ "شکستہ پر" میں یہ صفت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ اِس عرصہ میں شاعرہ کو بعض ایسے ناگزیر صدمات پیش آتے ہیں جن سے دُنیا میں کوئی بشر مامون نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ عمومیت کے اعتبار سے موت اور زیست سے زیادہ دُنیا میں کوئی واقعہ پیش نظر نہیں رہتا لیکن کسی عزیز یا دوست کی موت اِس عام واقعہ کو ایک مکاشفہ کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اور خیال کو یہ کاوش ہوتی ہے کہ اِس تغیر پذیر عالم میں اپنے لئے کوئی مستقر تلاش کرے۔ یہ تلاش ہمکو حقیقت کی طرف لے جاتی ہے اور ہمیں اپنی معصومیت کے زمانہ کے بہت سے خواب ترک کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن یہ نقصان انجام کار میں نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تخیل اور عقل میں ایک

قسم کا توازن قائم ہو جاتا ہے۔ جس پر شاعری کے صحیح عروج کا مدار ہے۔ اِس آخری مجموعہ کا نام ہی شاہد ہے کہ اُس کے اشعار میں اُسی درد کا اظہار ہے جسے غالب نے "شکست کی آواز" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اِن اشعار میں روانی وصفائی ہے۔ مگر ایسی روانی اور صفائی جو ایک آنسو کے رُخسار پر بہنے کی یاد دِلاتی ہے۔ اِن میں نغمہ ہے لیکن وہ نغمہ جو آہِ سرد کی طرح دل کے پار ہو جاتا ہے۔ خیالات کا اِرتقاء مسز نیڈو کی شاعری کی ظاہری شکل (یعنی بندش الفاظ اور ترکیب) میں بھی مناسب تغیر پیدا کرتا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ سُریلاپن جس کا ذکر آچکا ہے اُنکی تمام شاعری میں قدرِ مشترک ہے۔ لیکن جس طرح میں نے اُن کی اوّلین نظموں کو ٹھمری سے مشابہت دی تھی۔ اُسی استعارہ کو قائم رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہیئے کہ اُنکی آخری نظمیں خیال یا دُھرپد سے مشابہ ہیں جن میں سُریلاپن رفعت اور شکوہ کے ساتھ نمودار ہو کر قلب کو مطمئن اور کانوں کو خوش کر دیتا ہے ؎

ہندی راگ اور مسز نیڈو کی شاعری کے درمیان جو تشبیہ قائم کی گئی ہے

وہ نہ صرف اُس شاعری کی ظاہری شکل سے تعلق رکھتی ہے بلکہ اُن جذبات کیطرف بھی اشارہ کرتی ہے جو اُسکی تہ میں پوشیدہ ہیں۔ اِس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ محبت اُن جذبات میں جو شاعری کے محرک بن سکتے ہیں سب سے قوی جذبہ ہے۔ اور اگرچہ اور جذبات بھی شعر کا لباس پہن سکتے ہیں لیکن یہ لباس جیسا محبت کے جسم پر راست آتا ہے وہ کسی اور جذبہ پر نہیں کھلتا لیکن محبت کے ایک سے زیادہ رنگ ہیں۔ اور جو رنگ وہ ہندی شاعری (جس کے ضمن میں ہندی راگ بھی شامل ہے) میں دکھاتی ہے وہ مغربی رنگ شاعری میں شاذ مثالوں کو چھوڑ کر کہیں نظر نہیں آتا مسز نیڈو کی زبان اگرچہ انگریزی ہے لیکن اُن کا دِل ہندی ہے اور اُس دِل میں جو جذبات ہیں وہ بھی ہندی ہیں۔ ہندی شاعری میں محبت کا اظہار ہمیشہ عورت کی جانب سے ہوتا ہے۔ اور یہ نسوانی محبت اپنی مجازی صورتوں میں بھی اُس روحانی جذبہ سے معمور نظر آتی ہے جو اور زبانوں میں صرف مذہبی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ ہندی شاعری میں پریم یعنی محبت اور بھگتی یعنی پرستش دونوں ایکدوسرے سے اِس قدر پیوست پائے جاتے ہیں کہ ان دونوں

جذبات میں کوئی مابہ الاِمتیاز قائم کرنا مشکل ہے۔ مسز نیڈو کی شاعری میں جس
محبت کی جھلک نظر آتی ہے وہ وہی محبت ہے جو بھگتی کی جانب لے جاتی
ہے۔ جس میں روحانی رفعت اور مذہبی جوش دونوں موجود ہیں جو ہمیشہ اخلاق کے
دائرہ میں محصور اور مذہب کے احکام کے تابع رہتی ہے۔ جس میں محبّت کرنے والی
اپنے محبوب کو ایک دیوتا اور خود کو اُس کا ادنیٰ پجاری تصوّر کرتی ہے جو موت
کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم نہیں کرتی۔ بلکہ ستی کی چِتا کے شعلوں کے ساتھ غرور سے
اپنے سر کو آسمان تک بلند کرتی ہے۔ اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جس محبت کو
مسز نیڈو کی شاعری سراہتی ہے وہ ایک معمولی ہندی عورت کی رسمی محبّت
ہے۔ جو مذہب رواج۔ ذات پات اور بیسیوں قیود سے پابند نظر آتی ہے
بلکہ اُس میں وہ اِنفرادی قوت موجود ہے۔ جو ضرورت کے وقت ہر قسم کی قیود
اور بندشوں کو توڑ سکتی ہے ۞

محبّت کے عِلاوہ مسز نیڈو کے اشعار میں دیگر تمام اعلیٰ اور ارفع جذبات
اور تجربات سے کام لیا گیا ہے۔ حُبّ وطن۔ شفقتِ مادری۔ اِنسانی ہمدردی

غرضیکہ کوئی بھی قابلِ قدر جذبہ ایسا نہیں جس کا انکی کسی نہ کسی نظم میں جلوہ نہ نظر آتا ہو۔ قدرتی مناظر سے وابستگی شاعرانہ طبیعت کا لازمی جزو ہے لیکن مسز نیڈو نے مناظرِ قدرت کو اپنی شاعری کا خاص موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہمیشہ اُن کو انسانی جذبات کی تصویر کے حاشیہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ البتہ ہر طبقہ اور ہر نوع کے انسانوں کے خیالات کی ترجمانی کرنے میں اُنہیں خاص ملکہ ہے۔ اور انکی نظموں میں مؤذن کی اذان اور پجاری کے بھجن سے لیکر پنہاریوں کے گیت۔ پالکی بردارو کہاروں کے گانے اور فقیر کی صدا تک سب قسم کے نغمے موجود ہیں۔ اشیاء کے رنگین اور نمایاں پہلو دیکھنے کا انکی آنکھ کو خاص ملکہ ہے۔ اور بسا اوقات وہ چند فقرو یا چند لفظوں میں کسی واقعہ یا نظارہ کی پوری تصویر ہماری نگاہ کے سامنے کھینچ دیتی ہیں۔

ہندوستان کی عورتوں کے متعلق کبھی طنز اور کبھی حسرت کے لہجہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ انکی زندگی صرف تین اہم واقعات پر مشتمل ہوتی ہے یعنی پیدا ہوئیں بیاہ ہوا اور مر گئیں۔ کیا یہ بات بجائے خود تعجب خیز نہیں کہ ایسے درماندہ طبقہ میں

سروجنی نیڈو جیسی مجموعۂ کمالات خاتون کیسے پیدا ہوگئی؟ اس کو ہم معجزہ خیال کریں یا فطری اسباب کا نتیجہ لیکن اس میں شُبہہ نہیں کہ یہ واقعہ صرف تعجب خیز ہی نہیں بلکہ اُمید افزا بھی ہے کہ اگر ہندوستانی عورتوں کو موافق حالات میسر آئیں تو وہ کیا کچھ کر سکتی ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر ایک خاتون مسز سروجنی نیڈو کی مانند خوش گو شاعر یا خوش بیان مقرر یا سیاسی مدبّر بننے کی سعی لاحاصل کرے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ انکی رفیع الشان مثال سے سبق لیکر وہ کارکُن اور فرض شناس انسان ہو جائیں۔ اور یہ مثال ہمارے مَردوں کیلئے بھی ایسی ہی سبق آموز ہے جیسی کہ ہماری عورتوں کے لئے ۔

آختر دہلوی

شریمتی سروجنی نائیڈو

آنکھیں ہوئی ہیں خیرہ سورج کی روشنی سے
مانگا یہ نور اُس نے شاید سروجنی سے

ہندوستان والو پیارا وطن تمہارا
خالی نہیں ہے اب بھی سیتا و پدمنی سے

حکمت کے جو خزانے اِس خاک میں چھپے ہیں
اُنکا نشاں ملا ہے ہیرے کی اِک کنی سے

ہاں اے عروسِ معنی تجھ سے ہی کیوں نہ سیکھیں
نکتہ تہمتنی کا اپنی فروتنی سے

تیرا ہر اک ترانہ ہے زیست کا خزانہ
تُو ہے تو ہمکو کیا ڈر دولت کی دشمنی سے

سائے چمن کے اندر اک گُونج سی ہے پیدا
اے عندلیبِ شیدا تیری نوازنی سے

تیری زبانِ شیریں وہ کام کر دکھائے
جو ہو سکے نہ ہرگز تلوار کے دھنی سے

دامن ترا زر افشاں چھُو بھی لیا ہے جس نے
اندیشہ کیا ہو اُسکو گردُوں کی رہزنی سے

ظفر علی خان

آستانۂ زرّیں

مختلف ابتدائی نظمیں

پالکی والوں کا گیت

آہستہ .... بہت سہج سہج .... ہم اِس پردہ نشین کو لے جا رہے ہیں۔

پالکی نشین ایسے ہچکولے کھا رہی ہے جیسے ہمارے گیتوں کی ہواؤں میں کوئی پھول اُچھل رہا ہو!

اسے اِس طرح جھٹکے لگ رہے ہیں جس طرح کسی پُرجوش سمندر کے جھاگوں پر کسی مُرغِ آبی کو لگتے ہیں!

وہ پالکی میں اِس طرح تیرتی ہُوئی جا رہی ہے جیسے الفاظ فضائے تصوّر میں پیراں ہوں۔

ہم آج مسرور ہیں .... اور گا رہے ہیں اِس خوشی میں!

ہم اسے اپنے کندھوں پر اِس طرح لئے جا رہے ہیں جیسے کسی سلکِ ریشمیں میں موتی آویزاں ہوں!
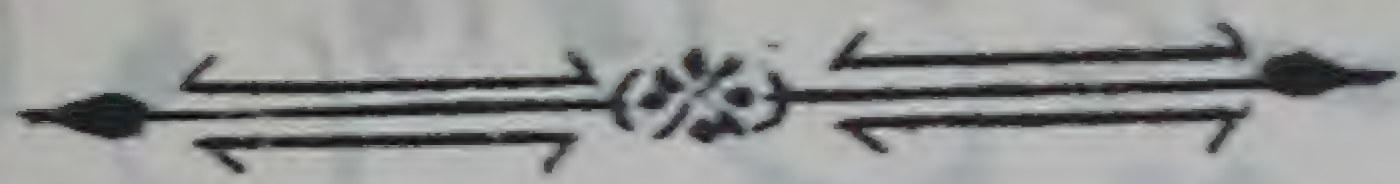
آہستہ آہستہ .... بہت سہج سہج .... ہم اِس "پردہ نشین کو لے جا رہے ہیں۔

یہ پالکی نشین ایک ستارہ کی مانند ہے جو کسی شبنمی صبح کو دمک رہا ہو۔!

وہ اِس طرح اُچھلتی ہے جس طرح کسی لہر پر سورج کی کرنیں اُچھٹتی ہیں! اِس کا گزرنا ایسا ہے جیسے کسی دُلہن کے قطراتِ اشک کا نزول!
ہم آج مسرور ہیں اور گا رہے ہیں۔ اِس خوشی میں! ہم اسے اپنے کندھوں پر اِس طرح لئے جا رہے ہیں جیسے کسی سلکِ ریشمیں میں جواہر آویزاں ہوں!!!

ہندوستانی جلاہے

طلوع

صبح کے وقت اے عزیز جلاہو ! تم کیا بُن رہے ہو ؟
.... یہ نفیس و خوبصورت کپڑا جو نیل کنٹھ کے پَر کی طرح آسمانی ہے
کیا ہے ؟

یہ ایک نوزائیدہ بچّہ کا جامہ ہے !

⁂

غروبِ آفتاب کے وقت اے عزیز جلاہو ! تم یہ کیا کپڑا بُن
رہے ہو ؟ .... !

یہ چمکیلا کپڑا کیا ہے ؟
نرم پرِ طاؤس کی طرح سُرخ و قرمزی رنگ کا یہ جامہ کیا ہے ؟

ہم ایک ملکہ کی نقابِ عروسی بُن رہے ہیں!

چاند کی خاموش اور سرد کرنوں کی پھیکی روشنی میں، میرے عزیز جُلاہو .... تم مغموم و متفکر اور سرنگون بیٹھے ہوئے اِس قدر سنجیدگی کے ساتھ یہ کیا کپڑا بُن رہے ہو؟! .... پَر اور بادل کی طرح سفید یہ کیا کپڑا ہے؟!

"ہم ایک مُردہ کا کفن بُن رہے ہیں!"
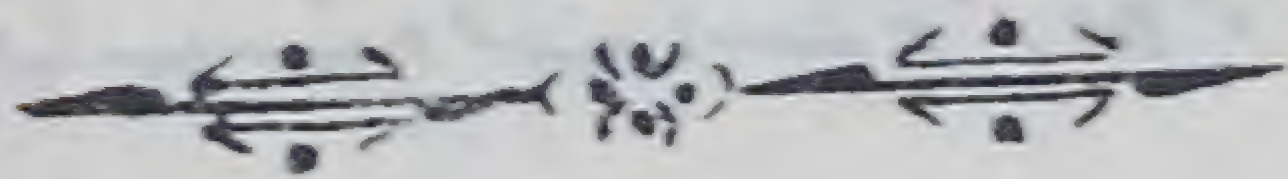
پپیہے کا گیت

میری بانسری کے گیتوں کے جادو سے بچ کر تو کدھر جا رہا ہے؟..... کیا پھولوں کے اِس مُعطّر کنج میں گھسیگا جس پر چاند کی کرنیں جذب ہو رہی ہیں؟!

کیا وہاں جا رہا ہے جہاں گلہری مزے کی نیند سو رہی ہے اور کوّے اُس کے گرد پاسبانی کر رہے ہیں؟!

کیا اِس جنگل میں جا رہا ہے جس نے یاسمینی شگوفوں کی صُورت میں نُور اُگل رکھا ہے؟!
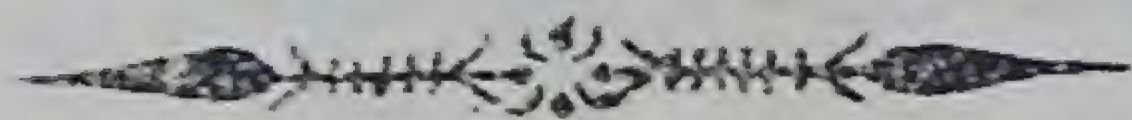
میرے محبوب دیوتا! تو کہاں چلا؟

مَیں تیرے لئے سفید اور میٹھا دودھ لایا ہُوں، جنگل کا سُرخ و شیریں شہد بھی حاضر ہے!

سفید اور سبز سرکنڈوں کی ٹوکری میں مَیں تُجھے لِئے لِئے پھروں گا!

مَیں تجُھے محل کے اِس گُل بداماں حصّہ میں لے جاؤں گا جہاں زرپوش دوشیزگانِ جمال "زرتارِ اِنبساط" کو اپنے "گلہائے مُسرّت" کی پنکھڑیوں میں پروکر "تبسّم" کی ایک "نقابِ گُل" بنا رہی ہونگی!
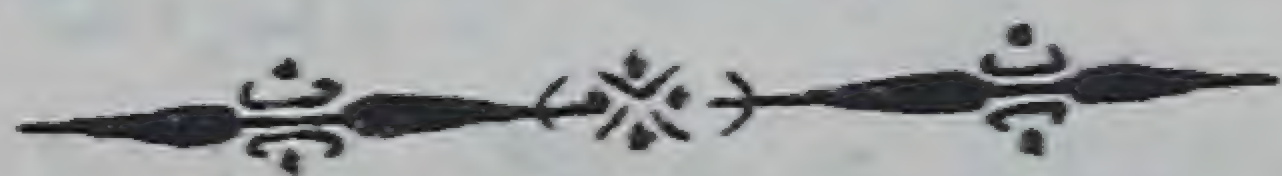
تُو نرم پُھنکاریں مارتا ہُوا کِدھر جا رہا ہے؟ کیا اِس جنگل میں جہاں حیات بخش زیتون نے ایک سیلِ آتشیں بہا رکھا ہے!؟

کہاں جا رہی ہے میرے عشق کی شکر لب عروس تُو!؟

آ!...... اے "خواہشات" کی سیمیں تن کرن ماہتاب!!!
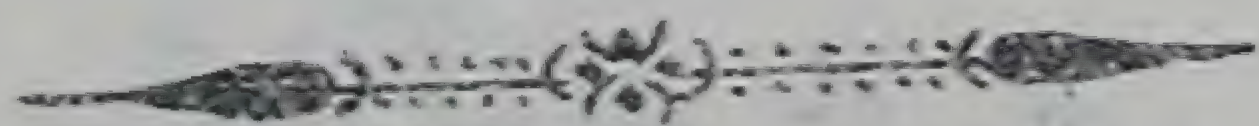
پسنہاریوں کا گیت!

او ننھی چوہیا! تو کیوں رو رہی ہے؟ دیکھ آسمان پر ستارے کیسے مسکرا رہے ہیں!

افسوس! افسوس!! میرا آقا مر گیا ہے!!!
اب میرے دردِ دل کی کون تسکین کرے گا؟
وہ دولتمند کسان کے غلّہ خانہ میں جوار کا ایک معمولی دانہ لینے گیا تھا۔ لوگوں نے چوہے دان میں اسے بے خبری کی حالت میں پکڑ لیا اور مار ڈالا بیرحمی سے .... اور اُسے خبر بھی نہ ہونے پائی!
افسوس! افسوس!! میرا آقا مر گیا ہے!!!

او خوبصورت ہرنی تو کیوں مغموم ہے؟ تو جنگلی جھاڑ
میں کیوں تنہا چھپی کھڑی ہے؟

افسوس! افسوس!! میرا آقا مر گیا ہے!!!

آہ! اب میری اشک شوئی کون کرے گا؟!

.... اوہ! میرے دل کی تسلی کون کرے گا؟

شام کے وقت وہ لب جو پانی پینے گیا تھا۔ شکاری گھات میں تھا
اُس نے ایک ظالم تیر مارا جو اُس کے دل پر لگا......!

افسوس! افسوس!! میرا آقا مر گیا ہے!!!

او نازک و خوبصورت عروس نو تو کیوں روتی ہے
دنیا آرام و اطمینان کی نیند سو رہی ہے تو کیوں جاگتی ہے
اور اشکبار ہے؟!

افسوس! افسوس!! میرا آقا مر گیا ہے؟!

اِس سَیلِ اشک کو کون روک سکتا ہے ؟ !
میرے ایّام کی افسردگی کو اب کون شگفتہ کر سکتا ہے ؟ !
اب میرے بسترِ عروسی کو کون زینت دے سکتا ہے ؟ !
پھر میری رُوح ناقابلِ تسکین آگ میں کیوں نہ جلتی رہے ؟ !
.... آہ ! وہ آگ جس نے میرے حبیب کی چِتا بنائی تھی !
.... افسوس ! افسوس !! میرا آقا مر گیا ہے !!!

ماںؔ اَوْر بچہؔ

ماںؔ

میرے عزیز بچےؔ! .... او عسلِ شیریں!

.... او عسلِ شیریں! تو کہاں جا رہا ہے؟

کیا تو اپنے شبنم کے تمام موتی ہوا میں بکھیرتا ہُوا اُس کے ساتھ اُڑ جائے گا؟

کیا تو اُس ماں کو چھوڑ جائے گا جس نے تجھے سُنہری دانے کِھلا کر پالا تھا؟

کیا تو اپنی دُلہن کا انتظار نہیں کرے گا جو تیرے لئے اَسپ سوار آ رہی ہے؟
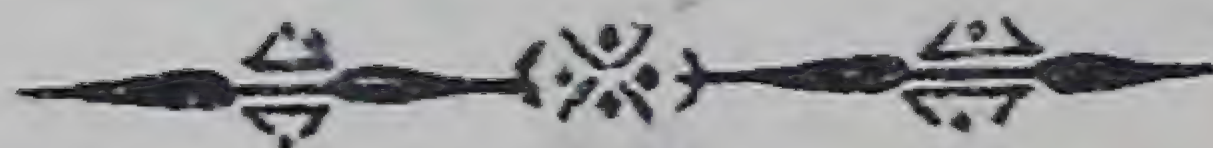
بچہ:-

امّی ! ، میری پیاری امّی ، میں جنگل میں جا رہا ہوں
...... جہاں چمپا کی کلیاں چٹخ رہی ہیں جہاں چمپا کے پھُولوں
میں شمیم بدوش ہوا سرسرا رہی ہے .... ہاں جا رہا ہُوں
دریا کی اس خشک زمین پر جہاں کوٹیوں کا نشیمن ہے ، جو کنول کے
پھُولوں سے گھری ہوئی ہے ۔
سُنو! پریوں کی آوازیں مجھے دُور سے بلُا رہی ہیں ....
.... لو ، میں چلا !
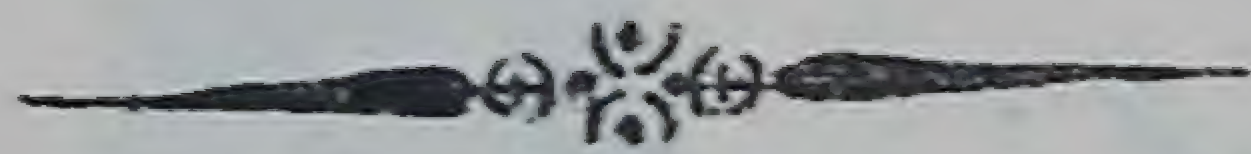
ماںّ :-

میرے ننھے فرشتے ! اے عسلِ شیریں !
اے عسلِ شیریں ! دُنیا عیش و نشاط سے مملو ہے ....
کیا یہاں دلبستگی کا سامان نہیں ؟

یہاں بچّوں کی میٹھی لوریاں ہیں۔
عروسانِ نَو کے نغماتِ اُلفت ہیں۔
صندل کی خوشبوئیں ہیں !
سرود ہے، نشاط ہے!
تیرا شادی کا جوڑا بُنا جا رہا ہے۔
زعفران و صندل کے محلولِ سیمیں تیار ہو رہے ہیں۔
تیری شادی کے لذیذ نان ہائے شیریں پک رہے ہیں۔
.........تُو کہاں چلا؟!.......... ارے تو کہاں جا رہا ہے؟!

بچّہ:۔
گہواروں کی نرم و شیریں لوریوں میں تلخی بھی ہوتی ہے۔

نغماتِ عروسی میں درد کی چسک بھی ہوتی ہے!
اگر آج آفتابِ حیات کی قہقہہ پرور کرنیں مسرور کر رہی ہیں تو کل موت کی سوگوار آندھی میں ہم سب فنا ہو جائینگے!
اِن تمام اصواتِ خیالی سے بہتر وہ سرودِ شیریں ہے جو جنگل کی نہروں کی روانی اور مُرغانِ دشت کے گلوں سے پیدا ہو رہا ہے!

میری ماں! مجھے مت روک! مجھے پرِیوں کی آواز آ رہی ہے!.......... وہ مجھے بُلا رہی ہیں!!.........

مَیں جا رہا ہوں!!!
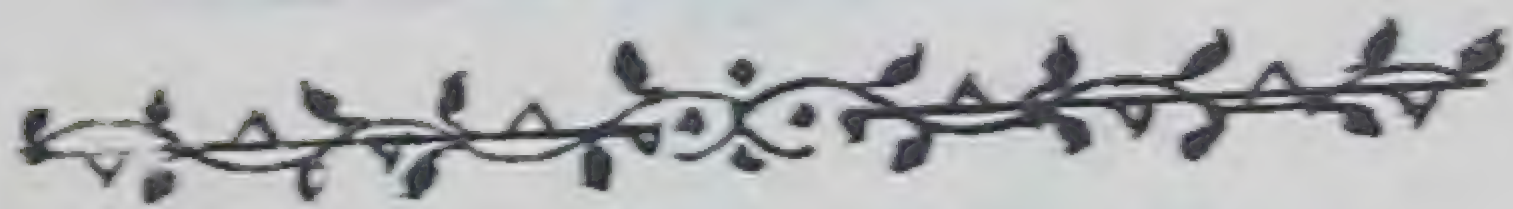
حِناکی تعریف میں!

(ایک نغمۂ رنگیں)

شاخ

حِنا پر سے کوئل کُوکی ....

"لرررا" .... "لِری" ...... "لررا" .... "لری" ......

حسین لڑکیو ! دوڑو ! - دوڑو ! - شاخِ حِنا کی طرف !

برگ ہائے حِنا اپنی گودوں میں بھر لو -

اپنے ظروف پانی کی رَو میں بہا دو ! اور برگ ہائے حِنا جلدی

چُن لو ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور نسیمِ صبحگاہی کی دِلآویزیاں ختم ہو جائیں

چُن لو اِن برگ ہائے حِنا کو اور پھر کُوٹ کر عنبر اور سونے میں گوندھ لو!........ گوندھ لو اس سبز اور تازہ حِنا کے پتّوں کی زرّین و عنبرین مہندی کو!

⁘——⊰❀⊱——⁘
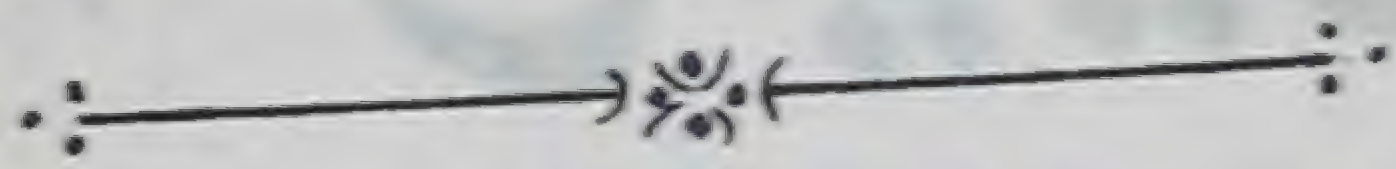
شاخِ حِنا پر سے کوئیل کُوکی:........

"لِرَرا"........"لِرہی"........"لِرا"............"لِرہی"

حسین لڑکیو دَوڑو!.... دَوڑو!- دَوڑو! شاخِ حِنا کی طرف! اور برگ ہائے حِنا اپنی چنگیر میں بھر لو!

اور کسی عُروسِ نَو کی صبیح و منوّر پیشانی کے لئے ایک لعلین تلک بنا لو! بنا لو۔ کسی مَلیح پیشانی کے لئے ایک خوبصُورت بِندی!

گو تُم لب ہائے شیریں کو خوشبودار پان سے گُلنار اور رشکِ لالہ بنا لوگی........ مگر اِن پتلی پتلی........ سوسن کی طرح نرم اور پتلی اُنگلیوں........ اور اِن کنوّل جیسے پاؤں کیلئے........ تو

برگ ہائے حنا ہی چُنو!

دَوڑو۔ حسین لڑکیو! جلدی کرو!

"لِرِرا" ہا...... "لِری ہا"...... "لِرِرا" ہا...... "لری"۔

نغمات

کھیتی کاٹنے کا گیت!
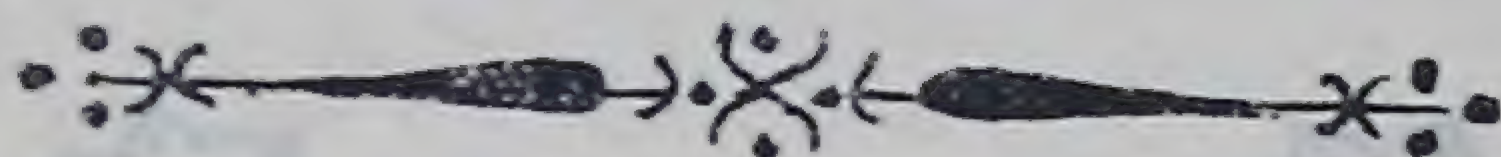
مردوں کی آوازیں:-

اے کنوّل کے دیوتا! اے فصلوں کے مالک!
اے وہ کہ جس نے ہماری کھیتیاں ہری بھری کیں اور انہیں
پکایا........ ہماری حقیر نذریں قبول کر!
کچھ پھولوں کے گجرے اور گیتوں کے تحفے پیش ہیں! ہمارے
میووں اور اناجوں کے سنہری ہدیے بھی حاضر ہیں!
اے "سریا"! پھلوں کو سرخ و سبز رنگ کرنے والے مالک!

ہم اپنی بانسریوں اور تنبوروں کے گیتوں سے تجھے خوش کرنے آئے ہیں...... ہماری حقیر نذریں قبول کر!

قوس قزح کے مالک! اے فصلوں کے دیوتا! اے کریم النفس اور محسن آقا!

تیری ہی مہربانی سے ہمارے ہل چلے تھے!

تیرے ہی کرم سے ہمارے اناج پھلے پھولے!

پس اے محسنِ اعظم ہم تیرے لئے پھولوں کے گجرے لائے ہیں۔ انہیں قبول کر کے ایک اور احسان کر!

اظہارِ تشکر کے لئے وادیوں کی نوزائیدہ پیداوار شیریں و تجنہ پھل لائے ہیں!

اے "ورنا"! شبنم و بارش بھیجنے والے دیوتا! ہم تیری مدح میں مجیرے اور بانسری کے کچھ گیت اور نغمے لائے ہیں!

عورتوں کی آوازیں :-

اے ملکۂ گل ! اے ملکۂ فصل ! اے دھرتی ماتا !...... اے محسنۂ شیریں ! اے مالکۂ گل ! تیری مہربانی سے ہی ہماری چھاتیوں میں قوم پرور دودھ پیدا ہوتا ہے !

تیرے سینہ ہی کی بدولت ہم پلتے ہیں۔ تیرے ہی شکم میں ہماری اولادیں (کھیتیاں) جنم لیتی ہیں۔ اے دھرتی ماتا !

ہم اظہارِ تشکر کے لئے کچھ محبت کے پھول لائے ہیں !۔

اے ہماری گوناگوں مسرتوں کی پیدا کرنے والی دیوی ہم تیرے عطا کردہ تحائف کو لے کر آئے ہیں۔

او "یاربتی" ! ہم ڈھول اور بانسری کی موسیقی ریز آوازوں سے تیری مدح کرتے ہیں !........ تو ہمارے نصیبوں کو جگا دے !!!
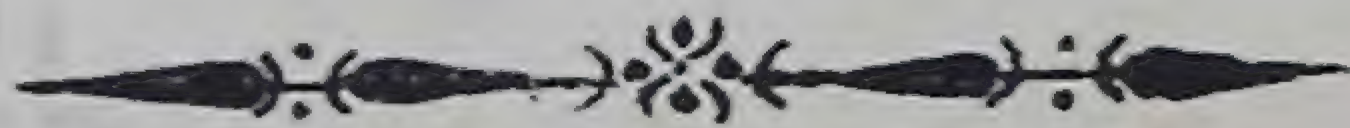
ہم گلو :-

اے مالکِ دُنیا! اے آقائے ہستی!

اے "پدر آبدی،" اے مستغنی عن التعریف!

"اوم"

تُو ہی ہماری فصلوں کا "تخم" ہے......... تو ہی ہماری "دَرانتی" ہے جس سے وہ پک کر کٹتے ہیں! تو ہمارا "دِل" ہے۔ تو ہی "ہاتھ" ہے اور "گھر"!

ہم تیرے حضور میں اپنی ساری زِندگیاں! اور ساری محنتوں کے پھل لائے ہیں......... اُن احسانہائے عظیم کے شکریہ میں......... اِنہیں قبول کر ہمارے محسن!

ہمیں اطمینانِ نفس اور تزکیۂ قلب عطا کر!......... ہماری حفاظت کر! آقا!!

اے "برہما" اے زندگیوں اور برکتوں کے آقا! اے مالکوں کے مالک! ہم تیری تعریف میں پرارتھنا کرتے ہیں...... اِن بانسریوں اور تنبوروں کے پاک گیتوں سے!

ہماری محنتوں کو سپھل کرنے والے آقا! اِن نذرانوں کو شرفِ قبول بخش!!!
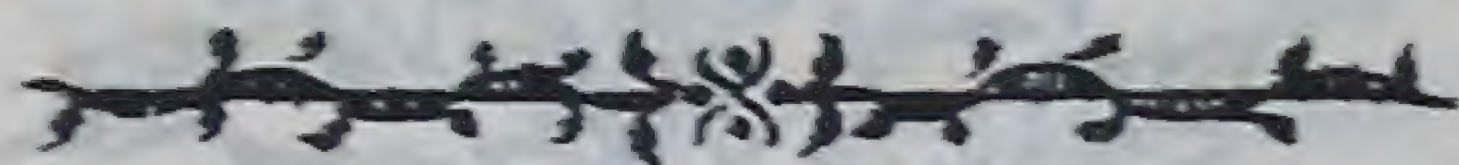
ایک ہندی نغمۂ محبّت!

عورت :-

میرے محبُوب! تیری چٹکیوں میں میرا دِل اِس طرح خوش ہونے لگتا ہے جیسے بِین کے آگے سانپ مست ہو کر جنّبش کرتا ہے!

جہاں ایک عاشِق کی طرح نسیمِ شب یاسمینی باغ اور سَرس کی ڈالیو پر اِٹھلاتی رہتی ہے۔

جہاں مختلفُ اللون میوہ اور شنگرفی پھولوں کی ڈالیوں پر خوبصورت طوطے بیٹھے رہتے ہیں .... وہاں! اے میرے

محبوب ! میرا دِل تیرے لئے دھڑکتا ہے !

مرد:-

میرے سینہ میں تیرا قلب اِس طرح پوشیدہ ہے جیسے گلاب کی پتیوں میں عطر و شمیم !

میرے دِل میں تیری تصویر اِس طرح آویزاں ہے جیسے اشوک کے درخت میں فاختہ کا نشیمن یا سینۂ سیمیں پر پھولوں کا گجرا یا جواہرات کا ہار !

میری محبوبہ !........ طلوعِ صبح تک یُونہی آرام سے سوتی رہو ! ہاں ! اسوقت تک جب تک کہ آفتابِ نوزائیدہ کی کرنیں ہاتھی دانت کی زمینوں پر اپنے خیمے نہ گاڑ دیں !

پنگھوڑے کا گیت

(بچوّں کیلئے)

گرم مصالحہ کے درختوں..........

چاول کے کھیتوں..........

اور

کنوّل پوش ندّی پر سے مَیں تیرے لئے ایک خواب لائی ہوں - نرم اور نازک ایک شبنم بدوش خواب شیریں!
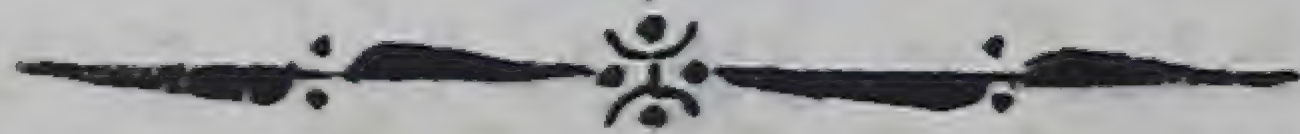
میرے شیریں بچے تو اپنی آنکھیں بند کرلے! پریوں کے نیم کے

اِن زرد پھولوں پر مکھیاں مصروفِ رقص ہیں!

مَیں نے ساغرِ خشخاش سے تیرے لئے ایک جُرعۂ شبنم چُرایا ہے.......... اور وہ تیری آنکھوں میں بِلا دیا ہے! اب تو ایک خواب میں محو ہو جا! اے میرے ننّھے!
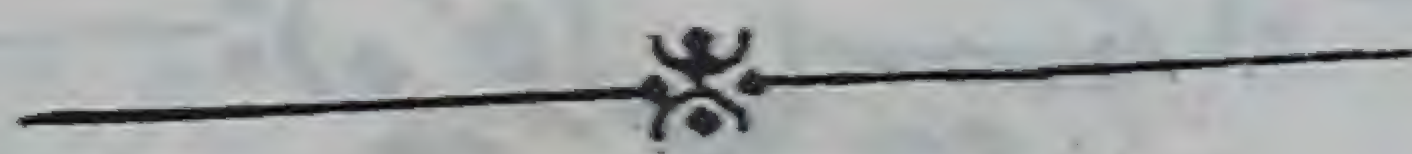
اے چشم ہائے شیریں!

"شب بخیر"! میرے ننّھے!

آنکھیں بند کرلے! تیرے پنگھوڑے کے گرد ستاروں نے جگمگانا شروع کر دیا ہے۔

تجھے خوش کرنے کے لئے یہ پاسبان مقرّر ہوئے ہیں۔ جو ایک رقصِ نوریں میں متواتر جُنبش کر رہے ہیں! بس اب سو جاؤ!!!
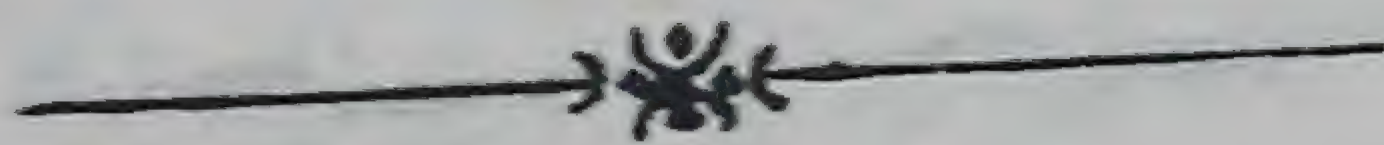
مَیں تیرے پیارے سینہ کو نرمی سے بھینچتی ہوں۔ میرے ننّھے بچّے

تیرے لئے ایک خوابِ شیریں لائی ہوں! اُسے لے! اور
سوجا!!!

سَتی!

میرے چراغِ زندگی تیرے شعلۂ پُرسکون کو موت کے منحوس لبوں نے بجُھا دیا ہے !

اور آہ! اب وہ واپس نہیں آسکتا...... !

میرے محبُوب! جب تو دُنیا میں نہیں تو کیا "تیرگیٔ حیات" میں مَیں زندہ رہ سکتی ہوں ؟!

میرے شجرِ حیات تیری جڑ پر موت کی سخت کلہاڑی نے ضربِ کاری ماری ہے۔

.... آہ! اب تیری تازگی و شگفتگی واپس نہیں
آسکتی!........ تو مرجھا جائے گا!
کیونکہ جب درخت ہی پژمردہ ہو جائے تو شگوفے کیونکر زندہ
رہ سکتے ہیں؟!

اے میری رُوحِ زندگی خُون آشام موت کی تلوار نے
ہمارے رِشتے اِس طرح توڑ دیئے ہیں جیسے شکستِ الفاظ!
آہ! اُس نے ہمیں دو ٹکڑوں میں منقسم کر دیا ہے حالانکہ ہم
ایک تھے!

افسوس!
جب رُوح ہی تن سے جُدا ہو جائے تو گوشت کیونکر زندہ
رہ سکتا ہے؟!!!
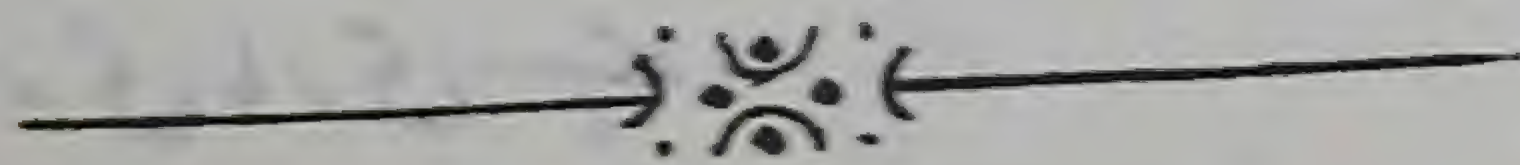
نغماتِ موسیقی

ایک نغمۂ خواب!

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک طلسمی جنگل میں کھڑی ہُوں.......
.......فضا ایک غیر محسُوس نور سے جگمگا رہی ہے۔

یہ خوبصورت جنگل روحانی تصورات کے خود رَو لالہ سے پَٹا پڑا تھا۔

کچھ پرند.........."حقانیت" پرست رُوحیں......اپنے دِلکش گیت ایک تلخ نوائی[1] کے ساتھ گا رہے تھے۔

کچھ "ستارے".........محبت کرنیوالی رُوحیں.......
جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔

کچھ "ندیاں"........"امن پسند" رُوحیں نرم رَوِی کے

[1] اشارہ ہے الحق مُرٌّ (سچی بات کڑوی معلوم ہوتی ہے) کی عربی مثل کیطرف۔

ساتھ بہہ رہی تھیں۔

.........آہ! میں نے یہ ایک خواب دیکھا تھا......ایک طلسمی باغ حیرت زا اور رُوح پرور!

مَیں نے اِس طِلسمی گلشن میں.........خواب ہی کی حالت میں.......... دیکھا کہ "اختران محبّت" میری نازک جوانی کے گرد جمع ہوگئے اور دمکنے لگے۔

اور "حقانیت" کی شہنائی سے خلوص کے نغمے بجنے شروع ہوگئے۔

میں اپنی پیاس بُجھانے کے لئے جُھکی اور آمن کی نرم رَو نہر پر اپنے لَب رکھ دیئے.........اور اِس طِلسمی خنگ کے عالم رُویا میں مَیں مخمور رہی۔!
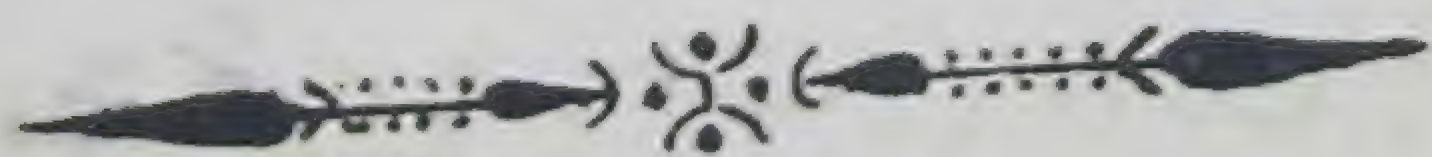
ہمایوں کا خطاب زبیدہ سے!

(یہ نظم اردو سے ترجمہ ہو کر پھر اسمیں منتقل ہوئی!)

تیرا جمالِ رنگین گلاب کی پنکھڑیوں میں آشکار ا ہے!
تیری طلعتِ حُسن سپیدیِ صبح میں جلوہ ریز ہے!
تیری نکہت و بوُ عنبر و مشک نے چُرائی ہے!
تیری شیرینی بُلبُل کے نغموں میں حل ہو گئی ہے!
یا پھولوں نے جذب کر لی ہے!!

بطِ آبی کی سپیدی تیری ہی صباحت کی مرہُون ہے! میں چلتا ہُوں تو تیرا تصور مجھے محوِ خواب رکھتا ہے اور میں کھویا کھویا سا معلوم ہوتا ہوں!

میں جب سوتا ہوں تو تیرا چہرہ مجھے ایک چاند کیطرح دکھائی دیتا ہے اور

نیند میں وہ اپنی طلسمی کرنوں سے مجھے نیم مجنون بنائے رکھتا ہے...

...... مجھ پہ "جنونِ ماہ" (Lunacy) کی کیفیات طاری

ہو جاتی ہیں۔

آہ! میری رُوح پر شمیمِ مُشک یا نغمۂ موسیقی کی طرح تسلط جما لیتی

ہے!

مگر آہ! اے شیریں! جب میں وفورِ جذبات سے مجبور ہو کر

تیرے لئے نالہ کرتا ہوں تو تُو جواب دیتی ہے:۔

"میں پردہ نشین ہوں.......... میں اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتی!

کیا کوئی نقاب مجھے تیرے نظارہ سے روک سکتی ہے؟

وہ کونسا بے حقیقت پردہ ہے جو مجھ سے تیرا جلوہ چھپا سکتا ہے؛

یہ "میں" اور "تو" کی کیا فضول جنگ ہے۔ آؤ! اس تفریق کو

مٹا ڈالیں۔ آؤ! ہم ایک ہو جائیں!.......... مَن تُن شُدم

تو جاں شدی"! کے مصداق ہو جائیں!

نغمۂ خزاں!

خزاں ہے.......... !

بادلوں کے مرکب پر ہوا اس طرح سوار ہے جیسے قلبِ مغموم پر
ایک خفیف بارِ مسرت!

بادلوں میں بادِ خزاں سرسرائی........

زرد زرد پتوں نے کھڑ بڑ کرنا شروع کیا اور ایک سنہری چکر کی
طرح چاروں طرف بکھر گئے........ ایک بارشِ زریں کیطرح!

سنو! جنگل میں ایک آواز مجھے اپنی طرف بلا رہی ہے......

آہ! وہ دعوتِ دل ہے!

مگر میرا دل سرور و نشاط کی کسی دعوت کی طرف متوجہ نہیں ہو گا.......... آہ! وہ مغموم و افسردہ ہے!......... تنہا ہے اپنے محبوب کے تصور میں خونبابہ بار!......... خشک پتوں کی طرح اس کے خواب ہائے زرّین بھی منتشر ہو گئے ہیں.....
......"پھر میں اس خزاں میں کیوں باقی رہ جاؤں"!
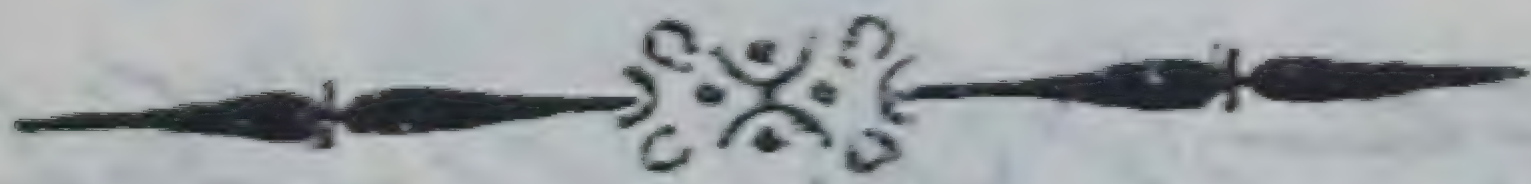
"میرے دِل کی کائنات!"
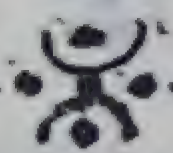
میرا دِل سنگِ سلیمانی کے ایک سفید صندوقچہ کیطرح ہے .... نازک جیسے موتیا ....
تصوراتِ رنگین اس کے نقش و نگار ہیں .... یہ نازک و حسین ہے ، خوبصورت و دلپسند آرٹ کی طرح۔

اِس دِلِ مرمریں میں کیا ہے؟

"عشرتِ فانی" کی یادگار شمیم!
"یادِ ایام" کے وحشت زا عطر!
"نغماتِ درد" کا سوگوار بخود!

"رنج و ملال" کی صندلِ خوشبو!
"نامرادیوں" کی سیاہ لوچگیں!
"زندگی" اور "محبت" کے نغمے اور ملال!

تصوّراتِ حسین!

زنگین
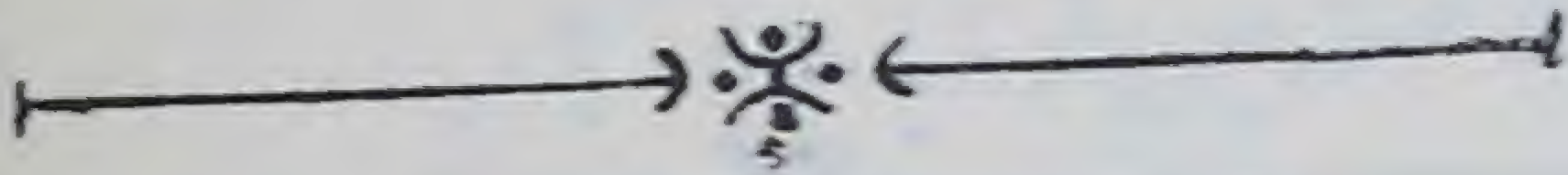
و جمیل تصوّرات کے پرندو اُڑ جاؤ!......اب میں تمہیں اپنی رُوح کے سینہ سے نہیں لگاؤنگی!........

جاؤ! اب تم آزاد ہو!

ہاں! اے مُرغانِ تصوّر! اب مَیں تمہیں کنول کی پنکھڑیوں کی طرح لبوں سے مَس نہیں کرونگی، دِل میں جگہ نہیں دونگی........ اب تم آزاد ہو اُڑ جاؤ، اے رنگین تصورات!........سفید بادلوں کے جنگل میں!

نہیں اے تصوّراتِ حسین، اب تم اپنے مسرُور چہروں سے

مجھے محفوظ نہیں کر سکتے......... تم میرے قفسِ ذہنی میں پھڑپھڑاؤ نہیں......... لو! اُڑ جاؤ!!

میرے لب نغماتِ تصوّر کو گنگناتے گنگناتے بالکل تھک گئے ہیں۔

اب میں زندگی کے افقی مقامات پر اپنے تصوّرات کو بھیجتے بھیجتے تنگ آ گئی ہوں......... ہاں اے رنگین محلوں کے رفیقو، اے مونسو! اُڑ جاؤ!

.... بیابانوں کے محیطِ نور و رنگ میں!!!
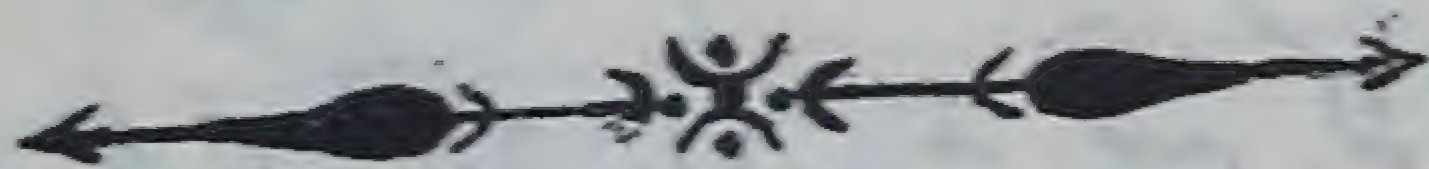
۳- "نظمیں"!
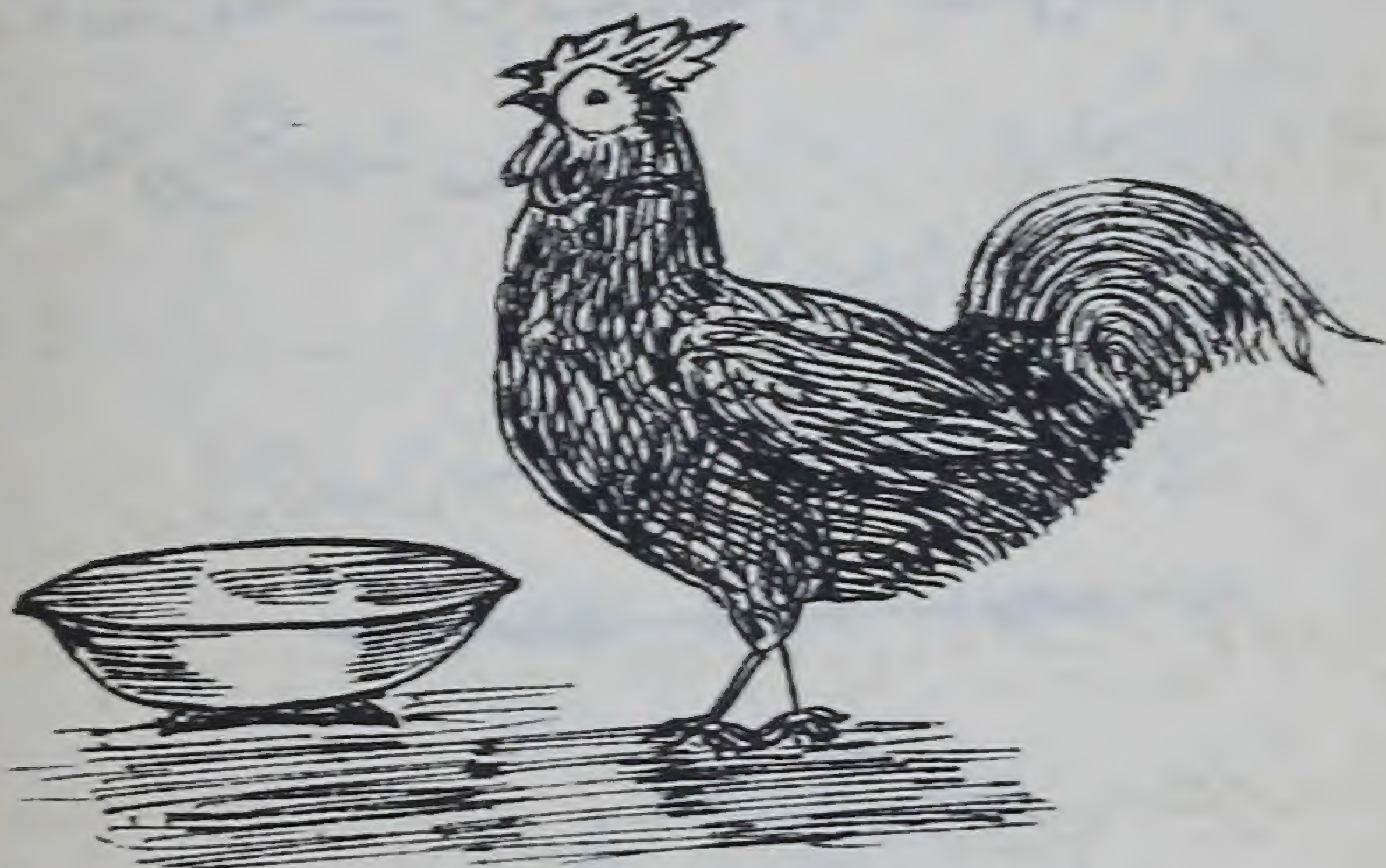
شب کی دیوی!
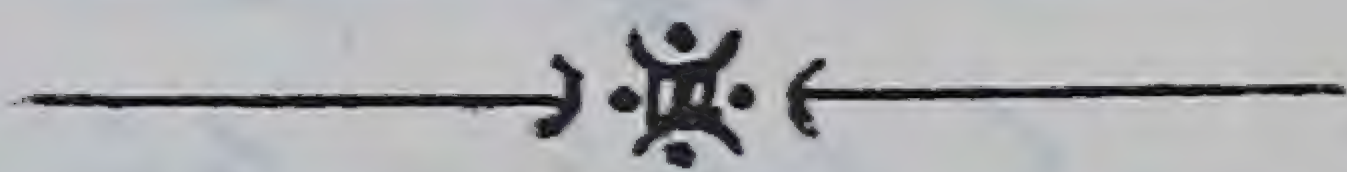
سکوت مطلق طاری ہے............ ہوا بھی سرد و نرم ہے!

.... اوہ! وہ ہیبت ناک خاموشی!

گلِ خشخاش میں سانپ لپٹے ہوئے ہیں۔

کرمکِ شب تاب نے سنہری اژدہے کی راہ میں مشعل کا کام دینا
روع کر دیا ہے، اور وہ آہستہ آہستہ ننھی راستوں میں سے ہوتا ہوا
جگہ جا رہا ہے جہاں غزالانِ خوش چشم ڈر کر کھڑے ہو گئے ہیں
.... یا رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کو جہاں انار کی خوش
کلیوں نے روشن کر دیا ہے۔

او خاموش! .... سُنو! ! ندی کی ردا

سیمیں پر کنول اِس طرح جنبش کر رہے ہیں جیسے دوشیزگانِ جمال

خواب دیکھتے وقت کیا کرتی ہیں!۔
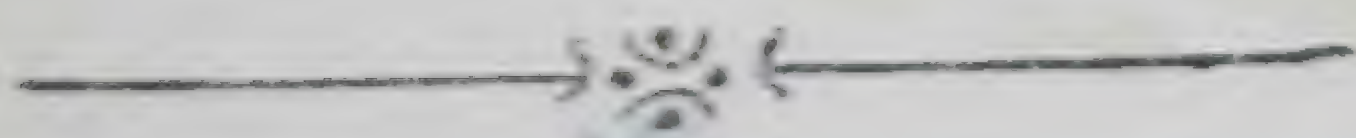
نیلگوں پیشانیٔ فلک پر نُورانی تلک کی طرح ماہِ نَو نمودار

.... ساکن، خاموش، سرد اور تقدّس آفرین!......

جنگل کے مندر میں ہوائے سرد نے رقص کرنا شروع کر دیا ہے

...... اور وہ چکرا چکرا کر "شب سیاہ" کی دیوی کے مقدس پیروں

میں گر رہی ہے!

او خاموش! سکوت مطلق طاری ہے اور کچھ مقدس آوازیں

فضا میں گونج رہی ہیں......... ہاں! نغماتِ قدسی کا یہ جھرمٹ

"شب" کی دیوی کے گرد روشن ہو رہا ہے، دیکھو!

جنگل میں!
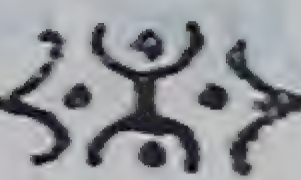
میرے دوست! آ! اُمردہ خوابوں کو...... گزری ہوئی باتوں کو...... یادِ ایّام کو...... اِس جنگل میں نذرِ آتش کردیں!

آؤ! یہاں ایک چِتا بنائیں، سفید پنکھڑیوں اور زرد و سُرخ پتوں کی...... شعلہ ساماں دھوپ کی شمعوں میں انہیں بھی جلادیں!

میرے محبوب! .... گزری ہوئی باتوں اور یادِ ایّام کے بوجھ سے ہم تھک گئے ہیں .... آؤ، کچھ آرام کریں،
آؤ اِن مُردہ خوابوں کو مِل کر جلادیں!
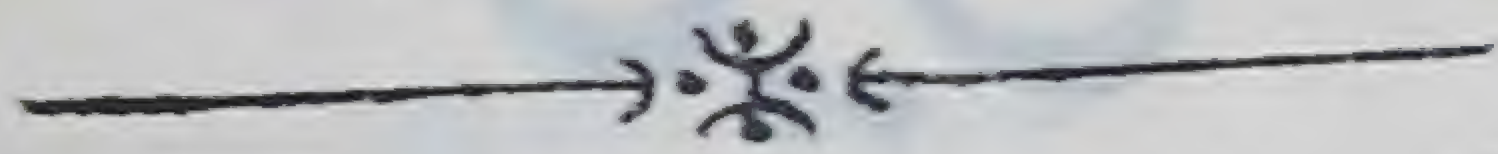
کچھ دیر بعد اُس چِتا کو اپنے آنسوؤں سے ٹھنڈا کردیں......
پھر راکھ کو ہوا میں مُنتشر کریں........ آؤ اِن مُردہ خوابوں کو جلادیں......... حتّٰی کہ شام کے تاریک سائے فضا کو محیط کرلیں گے - پھر ہم اٹھیں گے جلدی سے .... کیونکہ زندگی کی کشمکش اور حیات و بقا کی جنگ میں ہمیں جلدی گھسنا پڑیگا......
آؤ، ہم ان خوابوں کو جو باقی رہ گئے ہیں جمع کرلیں۔
نغماتِ درد کی پیہم جُنبشوں سے ملالِ زندگی کو بھی فتح کرلیں۔

حال آیا اور ماضی نے کنارہ کشی کی......... اب ماضی

اب پہاڑ کے غار کی طرح معلوم ہوگا۔

جس میں ایّامِ رفتہ کی دلنواز یادگاریں ایک راہبِ گمنام و تنہا کی طرح پڑی ہوئی ہونگی۔

آہ! وہ یادِ ایّام کا سکونِ نفس!

آہ! وہ خواب ہائے رفتہ کا اِطمینانِ قلب!

آہ! وہ باتیں جنہیں دل جلد بھُلا دینے کا عادی ہے! جو نئی نئی خواہشوں پر سابقہ اُمیدیں قربان کرتا رہتا ہے!

اب "رُوح" اِس مہیب غار کے دروازہ پر حیران و سرگرداں کھڑی ہے۔ آرزو اور امیدوں کے متلاطم و موّاج ساحل پر!

دیکھو! رُوح اپنے مستقبل کو کس شرمیلے انداز سے دیکھ رہی ہے! ایک نادیدہ دُلہن کی طرح جو اپنی نقابِ عروسی کے نیچے اسرار و رموزِ فطرت کے جلوے دیکھتی رہتی ہے!
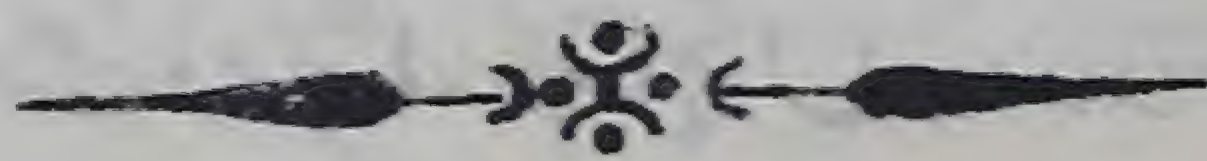
"ایک شاعر کا نغمۂ محبت"

میرے محبوب !........ دوپہر کو جب مجھ میں تاب و
توانائی ہوتی ہے ، مجھے تجھ سے قریب ہونیکی کوئی خواہش
محسوس نہیں ہوتی .... کیونکہ میرے خوابہائے پریشان
دُنیا کی تمام خواہشات کو ممکن الحصُول ثابت کر دیتے ہیں ....
اور مَیں مطمئن ہوتا ہوں کہ دُنیا میری ہے !........ ہاں
میرے نغموں کے تار ہوائے بے نوا کو مقید کر لیتے ہیں !........
پس میرے محبُوب ! مجھے تیری ضرورت نہیں ہوتی .... مَیں
اپنے نغموں میں مست و سرشار رہتا ہوں .... تو بھی سمندر یا

بیٹھی ہوئی اپنی رُوح کی تسکین کے لئے سامان مہیا کئے جا رہا ہیں بھی پُر سکون ہوں !

مگر بوقتِ نیم شبی .... جبکہ کائنات پر جمود طاری ہوتا ہے ۔ جب ہنگامِ صبح گرم نہیں ہوتا .... جب سلسلۂ کوہ اُداس اور غمگین کھڑا ہُوا انتظار رہتا ہے .... جب سمندروں کے اعماق ساکت ہوتے ہیں .... جب سب پر ایک پُر ہیبت خاموشی مسلط ہوتی ہے .... میرے محبُوب ! میری رُوح تیری آواز کے لئے بیتاب و بیقرار ہوتی ہے .... میرے نغمے بھی سرد پڑ جاتے ہیں .... اور نالے بلند ہونے شروع ہو جاتے ہیں ! .... اس وقت میرے محبوب ! میں تجھے پکارتا ہوں

.... جنگل ایک طلسمی آواز سے پُرمسرور ہو جاتا ہے ....

اے دوست ! سمندر پار سے اپنی رُوح بھیج کہ وہ میری رُوح

سے ''ہم آہنگ'' ہو!!!
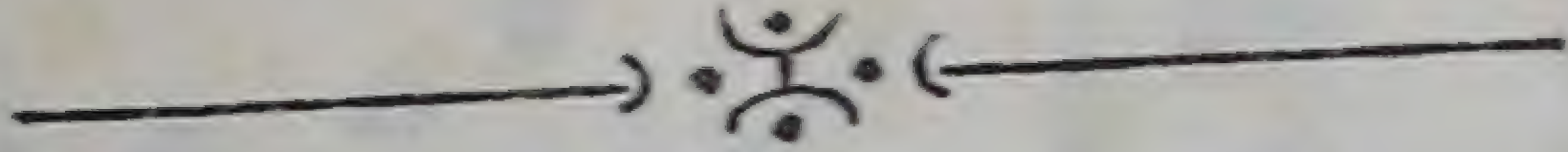
اِذیّت کی دیوی!

او "اِذیّت" کی دیوی!........ او خونخوار!!
اے وہ کہ جسے دنیا کی کوئی لذّت چھو نہیں گئی! تو نے اپنے "مندر"
میں مجھے برسوں دبوچے رکھا ہے!
تو نے مجھے اپنی پرستش کی قسمیں کھلائی ہیں اور بادِلِ ناخواستہ
اپنی قربانگاہ پر نیم سوختہ ڈالے رکھا ہے!......! وظالم دیوی!
تیرے سخت گیر آغوش نے میرے سینۂ نازک کو ریزہ ریزہ
کردیا........ اُف!......... اور میری جبیحِ پیشانی مسلسل
تکلیفوں سے عرق آلود ہے!........ افسوس ہے میری سخت

جائی اور تیری ناقابلِ تسکین وخون آشام پیاس پر!
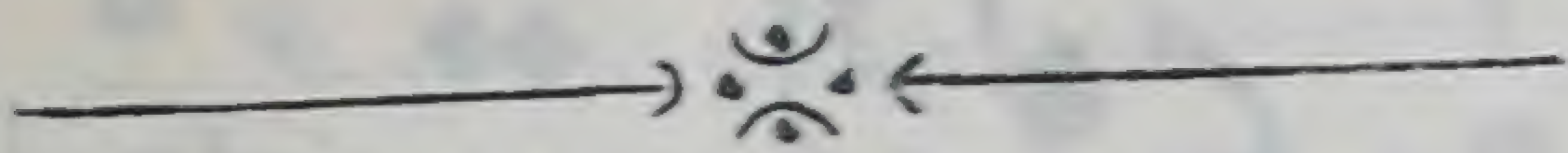
مَیں نے برسوں اذیتیں برداشت کرکے سخت وجانگسل روحانی صدمات اٹھاکر، بیسیوں راتیں جاگ جاگ کر تیری "پرستش" کی ہے اے اَذِیّت کی بے حِس دیوی!

تیری سیاہ وتاریک قربانگاہ پر نہ روغن وعطر چڑھ سکتا تھا اور نہ عسل وشِیر!

بس! تجھے تو میری روح کی قربانی چاہئے تھی...... ہاں تیرے ظالم دانتوں پر وہ بھی قربان ہوگئی! اُف رے! نابکار!

میرے شباب کی تمام رعنائیاں، میرے حسن وجمال کی تمام شادابیاں......... فضا میری ساری زندگانی کا عسلِ خالص تو نے چُوس لیا!

تو نے میری ہستی کو بھینچ کر شیریں ترین روغن نکال لیا اور چاٹ

گئی، او خونخوار زبان والی بلا!

طلوعِ صبح کے بڑھتے ہوئے جلووں کی طرح روشن ہونے والے

میرے ارمانوں اور امیدوں کے تمام شعلے تو نے اپنے نفسِ ظلمت

سے بُجھا دیئے!

میرے گل ہائے خواب کو تو نے اپنی آتش بار آنکھوں سے

لگا کر مسل دیا اور وہ پژمردہ ہو گئے........ آہ! میری خلوت

کی رنگینیاں نذر ہو گئیں تیری نادیدہ نظروں پہ!

بس! اب میرے پاس دینے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا.......

.........جو کچھ میرا تھا تجھ پر بھینٹ چڑھا چکی.......... تیری قربانگاہ

پر میں نے سب برباد کر دیا....... او خون آشام دیوی!........

اے ڈائین! اب مجھے جانے دے، میری ساری رُوح مر چکی ہے....

.... میرے سارے نغمے ختم ہو چکے ہیں، تیری پرستش کی جملہ رسومات
میں سبکدوش ہو چکی ہوں.......... ہاں، اب مجھے جانے دو، میں
خاموشی کے ساتھ اپنے اعضائے شکستہ کو لیے ہوئے کسی تاریک ویرانہ
میں جا پڑوں گی........ اور سو جاؤنگی ایک گہری اور ابدی "نیند"!
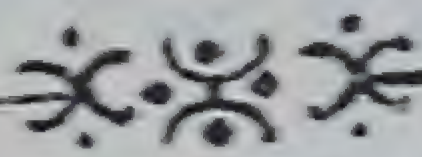
شہزادی زیب النساء کا ایک نغمہ
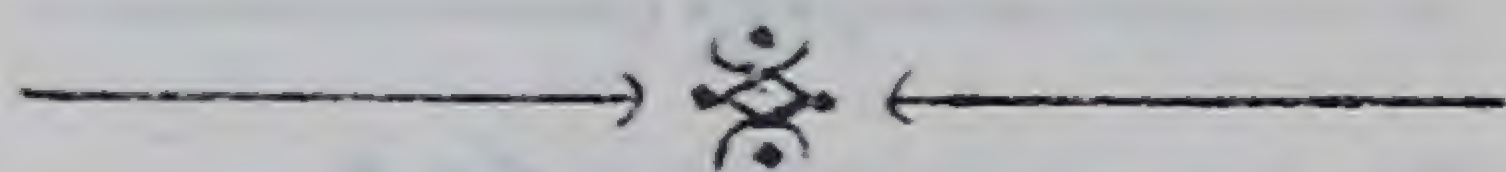
(اپنے حسن کی تعریف میں)

"فارسی سے!"
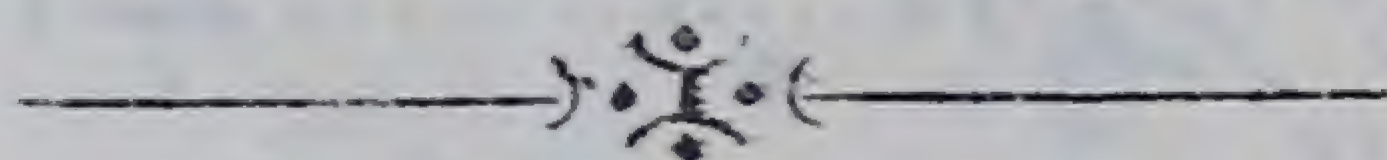
جب میں اپنی نقاب اُلٹتی ہوں گلاب شرم کے مارے عرق عرق ہو جاتا ہے۔ اور حسد سے سپید پڑ جاتا ہے!

اُن کا قلب شق ہو جاتا ہے اور اپنی خوشبو فضا میں پھیلانے لگتے ہیں........ ہاں، یہ اُن کے نالے ہوتے ہیں!

اگر اتفاق سے میری زُلفِ معطّر کا ہوا چُھپکے سے بوسہ لے لے
اور وہ سُنبُلِ شہر میں چلی جائے تو وہ بھی پژمردہ و سرنگوں
ہو جاتی ہے!

مَیں بوقتِ خرام اگر رُک جاؤں تو میرے نقوشِ پا سے ایک
کنجِ گُل پیدا ہو جاتا ہے.......... واہ میرا حُسن!.........
جب مَیں دوبارہ چلنا شروع کرتی ہوں تو ہزاروں بُلبُلیں جاگ اُٹھتی
ہیں اور اس کنجِ حُسن میں سینکڑوں نغمے تھرتھرانے لگتے ہیں!.......
.... ہاں میرے جمالِ گُل کی نغمہ ریزی!!!
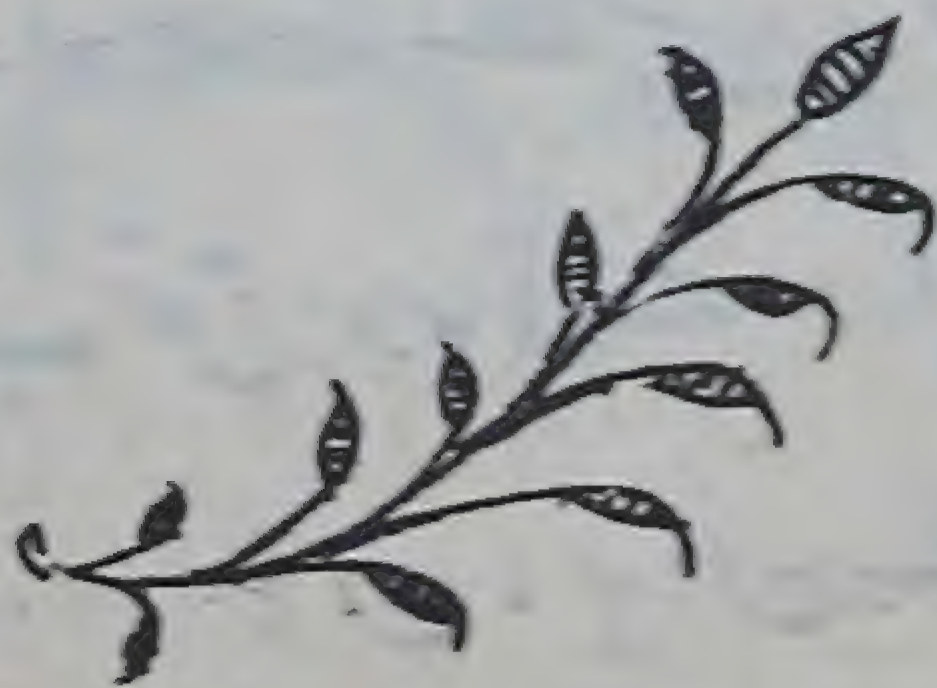
ملکۂ گلنار کا ثانی!

پہلا بند

ملکہ گلنار ہاتھی دانت کی ایک مطلّا و مجلّا مسہری پر بیٹھی ہوئی ہے۔ چاروں طرف زر و جواہر کے بیش قیمت ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ عنبر و بخود روشن تھا، فضائے رنگین معطّر تھی۔

اُس کے خوبصورت کمرے کی دیواروں پر یَشب، نیلم، بلّور، سنگِ سلیمانی اور فیروزہ کی پچّی کاری ہو رہی تھی۔

اُس کے بلّورین سینہ کی رنگین اور زرباف پوشش کے تار اِس طرح

چمک رہے تھے جیسے نُور کی کلغی!

جمال و تزئین کے اس تمام سامانِ رنگ و بو کے باوجود ملکۂ گل

جو ہاتھ میں ایک آئینہ لیئے بیٹھی تھی، غمگین واُداس نظر آرہی تھی۔ اس

کے مرمریں سینہ کے نرم زیر و بم کے ساتھ یہ آواز فضائے بسیط میں

سُنائی دی .... "میرے بادشاہ! ...... میرا دِل ملوُل ہے

...... مَیں مطمئن نہیں ہُوں!"

شاہِ فیروز ایک آبنوس کی کُرسی پر بیٹھا اور پُوچھنے لگا!

کونسی خواہش ہے جو اس وقت تک پُوری نہ ہو سکی .... مجھے

بتا میری ملکہ! اپنے لبوں کو جنبش دے اور مجھے بتا کہ وہ کونسی خواہش

ہے؟ اور پھر تو دیکھے گی کہ میں کس طرح اپنی ساری زندگی بے اطمینانی

کے اِس بادل کو صاف کرنے میں گزار دیتا ہوں!!"

ملکۂ گلنار نے ایک آہ سرد بھری .... اور اوراقِ گُل کی نرم

سرسراہٹ کی آہستگی کے ساتھ! .... وہ بولی :- نہ تو میری راتیں

برس ہیں کسی رقابت کے سوز سے !........اور نہ دل شوریدہ
ب کسی مقابل کی تپیدگی سے !........میں اپنے حُسن کے نظاروں
سے تنگ آگئی ہوں۔"

"میرے لئے یہ تمام سامانِ رنگ و بوبے لطف اور یہ عیش و
نیف بے حقیقت ہے !۔

"میرا دِل ملُول ہے !........ مَیں مطمئن نہیں ہوں، میرے
دشاہ !" ملکۂ گلنار نے پھر ایک آہ بھری اور کہا :۔
"فیروز ! پادشاہ ! اگر دُنیا میں میرے حُسن کا کوئی مثل
........میرے جمال کا کوئی ثانی اور میرے جلوہ کا کوئی مقابل ہو
ٔو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں رقابت کی آگ سے اپنے سینہ کو
سکُون دُوں !!!

دُوسرا بند

فیروز پادشاہ نے اپنے وزیرِ اعظم کو بُلایا اور کہا: "میرے

قاصدوں کو سمندر پار بھیجو اور ملکۂ ایران کے لئے سات حسین کنیزیں منگاؤ .... یہ دوشیزہ ہوں ...... اور خوبصورتی میں ملکۂ گلنار کا ثانی !........ اُنکی شکل یگانۂ روزگار اور اُن کا جمال دُردانہ ہو ! .... مقابلہ ہے ملکۂ نور کے چہرے سے !......... تاکید ہے ہر خاص و عام کو !....... دیکھو یہ حسینانِ عالم ، دُرہائے یتیم ہوں بحرِ جمال کی .... اے میرے عزیز دوست !"

سات ہمشکل دوشیزگانِ حُسن لائی گئیں ، پادشاہ فیروز کے حضور میں - یہ حسین لڑکیاں ، چاند کی ٹھنڈی کرنوں کی طرح جمیل اور قطراتِ نوری کی طرح دِل آویز تھیں !....... لاثانی اور یگانہ -

بادشاہ انہیں گلنار کی آرامگاہ میں لے گیا ...... اقلیمِ حُسن کی ایک شہزادی ...... جسکی آنکھیں ستارۂ صبح کی طرح روشن تھیں .... ملکۂ گلنار کو لب بستہ اور دزدیدہ انداز سے دیکھنے لگیں .... بادشاہ نے پکار کر کہا .... "اے ملکۂ گلنار ! تیرے حُسن کا ثانی ، میں مقابل میں لایا ہوں

اِسے دیکھ! یہ دُرہائے شاہوار ہیں، جو میں نے اِقطاعِ عالم سے اِنتخاب

کئے ہیں!"

ملکۂ گلنار ابھی تک آئینہ کو گھور رہی تھی! اُس نے ہر ایک دوشیزہ

کو بُلا بُلا کر آئینہ میں دیکھا اور ہر دفعہ کہا...... نہیں!

.... نہیں .... کوئی نہیں!"

یہ سات شہزادیاں .... آسمانِ حُسن کی "بنات النعش"....

.... اُس کے گرد حلقہ باندھے اِس طرح کھڑی تھیں۔ جیسے کسی سِلکِ

ریشمین میں جواہر آویزاں ہوں یا کسی شاہی بُرج میں سات خوبصورت

چراغ جھلمل جھلمل کر رہے ہوں یا لالۂ حُسن کی پنکھڑیاں ہوں!

مگر ملکۂ گلنار نے ایک آہ سرد بھری .... اَوراقِ گُل

کی سرسراہٹ کی طرح نرم! اور کہا:۔

"کہاں ہے .... میرے عزیز بادشاہ! ...... کہاں ہے

میرا ثانی!؟"

تیسرا بند

جب نسیمِ بہار نے :-

.... کوہستانی چشموں کی روانی تیز تر کر دی ....

.... اَوراقِ لالہ کے رنگ کو آتشین کر دیا ....

.... شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ بڑھا دی ....

.... اور سیبوں کے نخلستان کو بُلبُل کے شور سے گونجا دیا۔

مَلکۂ گلنار اپنی ہاتھی دانت کی مسہری پر بیٹھی تھی ....

اُس کا خوبصورت سر زر و جواہر سے مرصّع تھا ....

عنبر و عود سے فضا عطر بیز تھی ....

وہ ابھی آئینہ میں شکل دیکھ رہی تھی ....

اُس نے ایک آہ سرد بھری اور کہا :-

"میرے بادشاہ! میرا دِل ملُول ہے .... میں اَفسُردہ ہوں!"

ملکۂ گلنار کی ننھّی سی بچیّ......... زرکار نیلگوں لباس میں ملبوس تھی اور

جس پر دو بہاریں بیتی تھیں۔

گلستانی پری کی طرح دوڑتی ہوئی آئی اور اپنی ماں کے پیروں سے

آلپٹی اور اُس کے ہاتھ سے آئینہ چھین لیا!

ننھّی سی بچیّ نے اپنی ماں کا مُوباف......... جس میں موتی جڑے ہوئے

تھے......... اپنی چھوٹی چھوٹی نرم زُلفوں میں باندھ لیا پھر پلٹ کر

دیکھا......... ایک اندازِ معصومیت سے......... اور خوشی سے

چلاّتے ہوئے آئینہ کو پُرجوش بوسہ دیا.........!

ملکۂ گلنار بے بس ہو کر اٹھی اور بے اختیارانہ چلاّئی "بادشاہ

فیروزا یہ ہے میرا ثانی!"

شاعِر کا موت سے خِطاب!

ٹھیر! ....او ظالم موت ! .... میرا شباب شاداب ہے .... میرے ریاضِ حیات میں تو ابھی گلچینی نہیں کر سکتی .... میں ابھی جوان ہوں .... میرے "ریاضِ شباب" کی شاخوں پر "مرغانِ خواب" نغمہ سنج ہیں۔

او نابکار موت ! میرے گلہائے شباب کی تو ابھی گلچینی نہیں کر سکتی .... میری اُمیدوں کے غنچے ابھی تو کھلے ہیں .... ابھی تو ان کو کسی باغبان نے بھی ہاتھ نہیں لگایا .... تو قریب کیوں آتی ہے ؟

میرے خواب ہائے مسرّت تو ابھی محتاجِ تعبیر ہیں !........

ابھی تو میرے نغمے گائے بھی نہیں گئے.......... حتّٰی کہ آنسو تک

تو ابھی بہے نہیں....... پھر تو کیوں میرے قریب آرہی ہے

.... ڈائین ! پرے ہٹ !

ابھی تو ٹھہر !..........

مجھے زندگی کے نشیب و فراز، رنج و الم، مسرّت و بہجت

کے مزے لینے دے، ابھی مجھے اس زمین از آسمانِ کج رفتار کے

چکروں میں پڑنے دے !

"ابھی تو میں جوان ہوں !"

جب تک میری تمام انسانی آنندوئیں پوری نہ ہو جائیں گی میں مرونگا

نہیں.......... او موت !!!
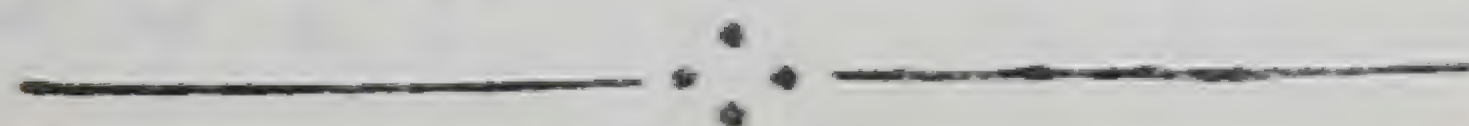
پردہ نشین!

اس کی زندگی ایک خواب ہے، جو متواتر گھوم رہا ہے۔
اس کا عیش، ملول و پژمردہ ہے .... نڈھال اور
مسرّت حقیقی سے عاری۔

غروب ہونے والے آفتاب کی کرنیں جس طرح سطح سمندر پر تڑپ
تڑپ کر چمکتی ہیں اسکی پازیب اور ٹیکا اس ہی طرح چمکتا رہتا ہے۔
اس کا جامۂ زرّین ایسا سفید ہے جیسے دُودھیا پتھّر یا صبح کی
گُہر .... خوش رنگ جیسے لاجورد!

پردہ نشین، نقش و نگار سے آراستہ دریچہ کے پیچھے اپنے ایام گذارتی

ہے۔

سُورج کی کرنیں کبھی کبھی چوری سے اندر داخل ہو جاتی ہیں ہوا بھی کبھی درآنہ اندر گھُس جاتی ہے۔......... اس عصمت مآب کی باحیا آنکھیں اس دریچہ کے پیچھے سے ایسی نظر آتی ہیں جیسے زرکار و مرصع سینہ پر جواہر ریختا!......... یا کسی حَبیب کے دِل کے رازہائے سربستہ!!

گو کوئی نامحرم تو اس کے چہرہ کے پُراسرار جلووں پر سے نقاب نہیں اُلٹ سکتا.........

مگر "وقت" غیر محسوس طریقہ سے سب حجاب اور پردے اٹھا دیتا ہے.........

پھر "غم" اُس کے چہرہ پر نظر ڈالتا ہے......!
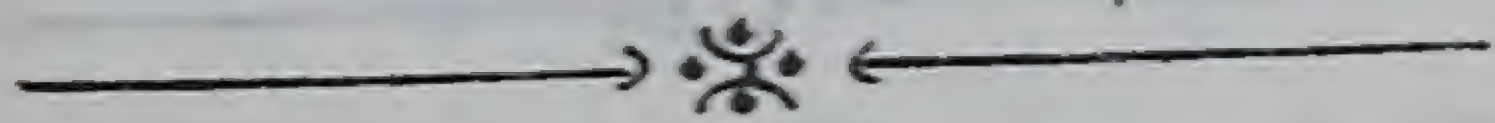
ہاں! پھر کون ہوتا ہے جو اس عورت کے باقی ایام کی نگرانی کرتا

ہے ؟!

اور کونسا طاقتور بند ہو سکتا ہے جو اس پردہ نشین کی آنکھوں سے بہنے والے سیلاب اشک کو روک سکے ؟!!

کنول نشینِ مہاتما بدھ سے خطاب!
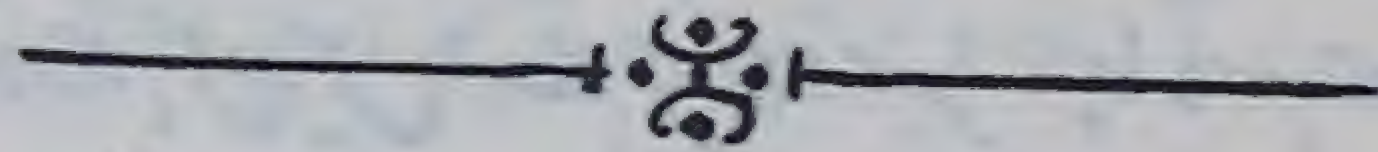
اے مہاتما بدھ :— جو کنول کے مقدس سنگھاسن پر ابدیت تک براجمان ہو گئے! اے وہ کہ جنکی آنکھیں نورِ ازلی کی یاد میں بند ہیں!......... ہاتھ اظہارِ عبودیت کے لئے بندھے ہوئے ہیں

تو کبھی زبان سے نہیں بولتا!

آہ! تیرا سکوت کس قدر عمیق و بامعنی ہے!

تیرا چہرہ کس قدر پرسکون ہے!......... ہاں! یہ وہ سکونِ نفس ہے جو تو نے برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل کیا تھا!
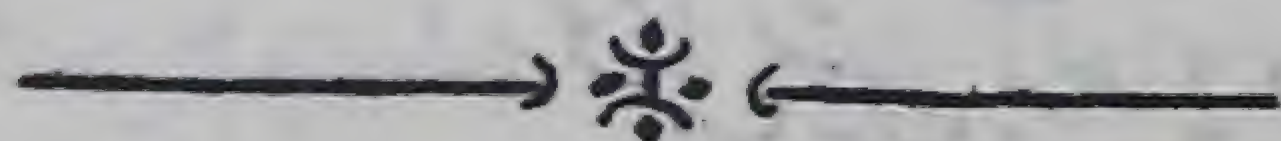
ہماری زندگی کے راستوں پر انقلاب کی ہوائیں ہمیشہ چلتی رہتی ہیں ماضی کے غم مستقبل کے رنجوں میں روزانہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں.....
.........!

ایک تصور ذہن میں آتے ہی دوسرا آجاتا ہے.........اور یہ خواب کی دنیا مسلسل و متواتر قائم رہتی ہے! حتّٰی کہ موت ہماری زندگی کے تار و پود کو منتشر کر دیتا ہے!

اے کنوّل نشین دیوتا!
ہمارے لئے اس کائینات میں سب کچھ ہے.
حرارت و برودت، شیرینی و تلخی، تاریکی و روشنی، رنج و مسرت، ناکامی اور کامرانی، میوے، پھل پھول غرض سب متنوع چیزیں موجود ہیں مگر سکونِ نفس جسے تو نے مدتوں کی ریاضت کے بعد حاصل کیا تھا.........اے کنوّل نشین بدھ! وہ ہمارے پاس

نہیں ہے!
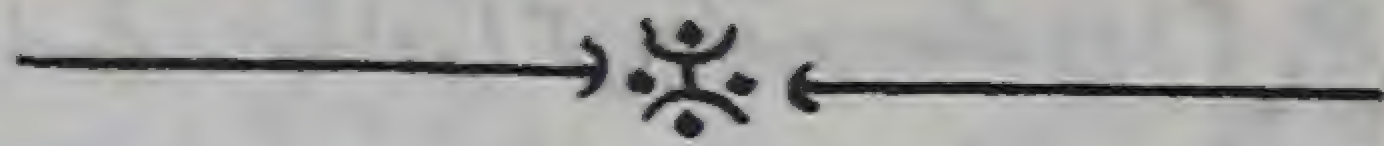
ہم بیکار کوشش کرتے ہیں کہ ناممکن الحصول خواہشات پوری ہو جائیں .... بڑے بڑے معیاری منصوبے باندھتے ہیں مگر بیکار! ہم معراجِ ترقی پر چڑھنے کی سعی کرتے ہیں مگر بے نیل و مرام واپس آتے ہیں کیونکہ ہماری ہمتیں پست اور قدم لرزاں و ماندہ ہوتے ہیں .... مگر کوئی اس روح کی پرواز کو حاصل نہیں کرتا جو آسمان کی طرف اُڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے .... ہاں! وہ سکون نفس اور تزکیۂ قلب کے لئے کبھی جہد نہیں کرتے!
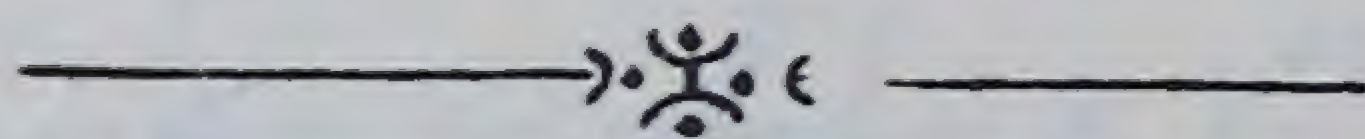
مستقبل ہمیشہ ایک سراب معلوم ہوتا ہے .... فریب دہ .... ہم اسکی طرف بڑھتے ہیں اور آگے بڑھے چلے جاتے ہیں .... وہ ہم سے اور بھی دُور ہوتا جاتا ہے .... ہم بھی تعاقب کرتے ہیں

غرض ہماری ساری زندگی کے تمام لمحے کچھ نہیں ہوتے مگر لاانتہا یت کا

یکے بعد دیگرے آتے رہنا اور اس دائرہ کے دوامی چکر!

ہاں! اے کنول نشین بُدھ دیوتا!

اے خدائے برتر! ہمیں بتا کہ ہم "نروان"...... نجات......

کیونکر حاصل کر سکتے ہیں.......... ہماری روحوں کو اس مادّی جنگ

سے کیونکر فتح نصیب ہو سکتی ہے؟.......... ہم سکونِ نفس اور معراج

رُوح کیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟!!

مادرِ ہند سے خطاب!

اے مادرِ ہند!........ اے وہ کہ جو ناقابلِ تصور زمانہ سے جوان چلی آتی ہے........ بیدار ہو! اپنے نہاں خانۂ تاریک سے باہر آ!

ایک عروسِ نو کی طرح........ جس کے ستارے سعید و مبارک ہوں........ تو بھی اُفقِ عالم پر نکل اور اپنے سیاہ ملفوف کو پھاڑ ڈال جس نے تجھے برسوں سے بند کر رکھا ہے!

مادرِ ہند!........ تیرے بچے........ ہاں اس سَر زمین پر بسنے والی قومیں........ تاریکی میں تیرے لئے روتی ہیں

.... اب تو بھی باہر آ اور انہیں اس مقامِ عروج پر لے چل جہاں
روز صبح کی سپیدی اپنے پُوٹے جلوے دکھاتی ہے۔ ....

او ماں!......... اے مادرِ وطن!....... تو کب تک
سوتی رہیگی اُٹھ! ہنگامِ سحر ہے!......... اور تیرے بچّے تیرے لئے
بیقرار ہیں....... وہ کبھی کے بیدار ہو چکے ہیں اب تیری پیشقدمی
اور پذیرائی کی ضرورت ہے!

مستقبل........ طرح طرح کی آوازوں سے تجھے بُلا رہا ہے!
.... وہ تجھے فلکِ آزادی کے چاند توڑ کر دیگا.........
کامرانی و کامیابی تیرے قدموں پر ڈالے گا......... تجھے عزّ و وقار
کی بلندیوں پر لے جائیگا......... ہاں دَوڑ! اے مادرِ وطن
اس دعوت کی طرف! اور بیدار ہو اپنے خوابِ گراں سے!
اے وہ کہ جو ماضی میں تمام دنیا کی سرتاج و سردار تھی!.......
تیرا مستقبل تجھے پکار رہا ہے اس دعوت پر لبیک کہہ.......

وہ تیرے سر پر "عروج" کا تاجِ زرّین رکھ دیگا!

"مرغِ عصر"

(انتخاب)

زندگی موت اور بہار کے نغمے

۱۔ "نغماتِ محبّت و موت"

مُرغِ عصر!
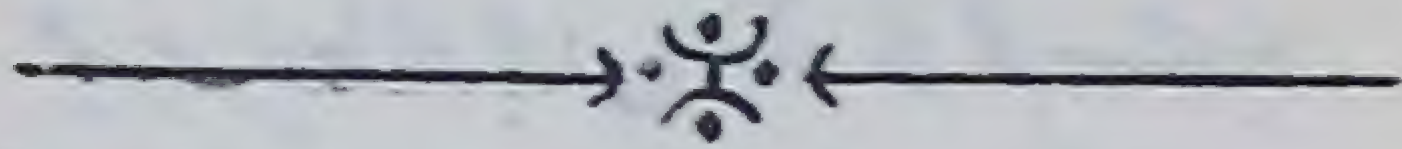
مرغِ عصر! تو اپنی میوہ دار ڈالیوں پر بیٹھکر کیا گیت گاتا ہے

.......؟ زندگی کی راحت و شوکت کی داستان.......؟

رنج و الم کے افسانے؟ کشمکشِ حیات کی روئداد؟

نغماتِ بہار کی مسرّت بے پایاں؟

مستقبل کی اُمیّدیں؟

ان تصوّرات کا یقین جو ایک صبحِ منتظر کے خواب دیکھتی رہتی ہیں؟

یا شفق کے تنفّس کا سکونِ معطّر؟

یا وہ سکوتِ قدسی جسے لوگ موت کہتے ہیں؟

مُرغِ عصر! مجھے بتا تو نے اپنے متنوّع نغموں کے یہ زیر و بم
کہاں سے سیکھے ہیں؟
ہوا دار جنگلوں سے؟
غیر مربوط موجوں کے تلاطم سے؟
عروسانِ نَو کے مسرور قہقہوں سے؟
بہارِ نَو کے ساحرانہ جالوں سے؟
طلُوعِ صبح سے، جو ایک ماں کے سینہ میں دعائے مضطرب
کی تخلیق کرتی ہے؟!
یا اس رات سے، جو ایک دِل کی نا اُمیّدیوں کو اپنے
تاریک حجاب میں گم کر لیتی ہے؟!
تاسّف کی آہِ سرد سے؟
تنفّر کی سُبکی سے؟
یا اس روح کے تفاخر سے جس نے قسمت کو مسخّر

کرلیا ہو؟

مرغِ عصر! تیرے نغموں کا راز کیا ہے؟!
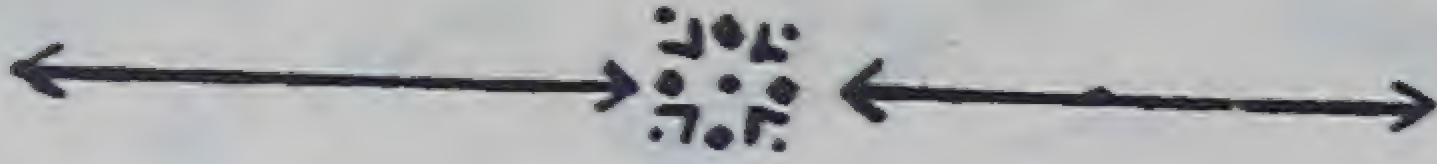
ایک ہندوستانی نغمۂ محبّت!
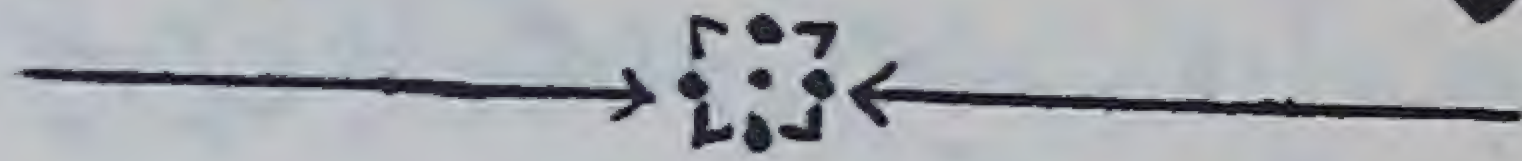
مرد:

میری محبوبہ! تو اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا دے جو

تیرے ماہِ جمال کی تابانی کو تاریک کئے ہوئے ہے!

"شیرین!" میری آرزوؤں کی تاریک رات کو اپنے

جمیل چہرہ کی صبح سے منوّر ہونے سے مت روک!

اپنے مشکبار گیسوؤں کے مُوباف کو کھول کر مجھے بھی کیوڑہ

کی چند کلیاں دیدے!

ریشمین و زرکار جھالریں سے............ جو تیرے

نورپاش موتیوں کے خوابوں کو اپنی لرزش سے منتشر کرتی رہتی ہے

.... ایک تارِ زر مجھے بھی عنائیت کر!

تیری پازیب کی موسیقی کے تصوّر سے میری رُوح گھبرانے لگتی ہے......... آہ! وہ مضمحل ہو جاتی ہے!

"شیریں"! مجھے اس آبحیات کا ایک جُرعہ پلادے جو تیرے بوسہ کے غنچہ میں پنہاں ہوتا ہے!

<———— ⁘ ————>
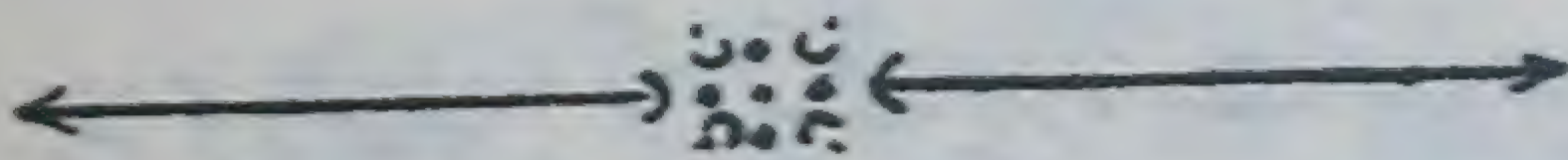
عورت:

تیری آواز پر مَیں کیونکر توجہ کروں؟!

.... مَیں تیری خواہش کیسے پُوری کروں؟!

تجھے گلرنگ ریشمی طرہ کیونکر دیدوں؟!

.... یا اپنی زلفوں سے ایک شمیم بار پتی کیسے جُدا کردوں؟!

تیرے دل کی آرزو کی آگ میں مَیں اپنے چہرہ کی نازک نقاب کیونکر ڈال دوں؟!

اِس قوم کے ایک فرد سے میں کیونکر التفات کروں جو میرے باپ
کی قوم کا دشمن تھا ؟ !
میں اسکے مذہب کو کیونکر نجس کرالوں ؟ !
تیرے ہم قوموں نے ہمارے معبد گاہ توڑے ہیں اور ہمارے لوگوں
کو قتل کیا ہے !
میری اور تیری قوم کے درمیان خون کی ایک خلیج حایل ہے !....
.... اس خون کی جو ہماری قوموں نے گذشتہ جنگوں میں بہایا تھا
.... پھر میرے اور تیرے مابین عقیدوں کی بھی ایک ندی حایل
ہے !......... بتا ! میں تیری تمنا کیونکر پوری کر سکتی ہوں ؟ !
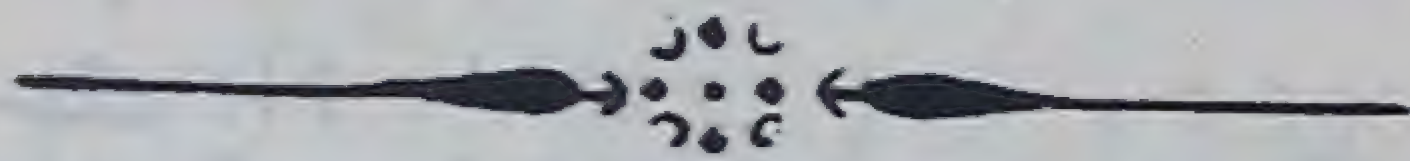
مرد :

"شیرین !"......... میری قوم کے قصور تیرے نزدیک
کیا ہیں ؟ تو انہیں کیوں قابلِ التفات سمجھتی ہے ؟ !

تیرے معبد! تیرے قومی بھائی، تیرے دیوی دیوتا بھلا تیری نظر میں کچھ وقعت رکھتے ہیں؟!

محبّت کا سیلاب "میرے اور تیرے" کی خلیج کو پاٹ دیتا ہے، وہ اگلوں کی غلطیوں کو بہا کر لے جاتا ہے اور نام و نشان تک نہیں چھوڑتا!

عاشق کے کانوں میں ناقوس اور اذان کی آواز ایک ہی سی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ محبّت پچھلی غلطیوں کی پروا نہیں کرتی۔ اِن کا دُہرانا فضول ہے!........ وہ قدیم ناسوروں کو بھر دیتی ہے!

عاشق تاریخی رنجشوں کے تمام بدنما داغوں کو اپنے گرم آنسوؤں سے دھو دیتا ہے!!!

"نغمۂ غم!"
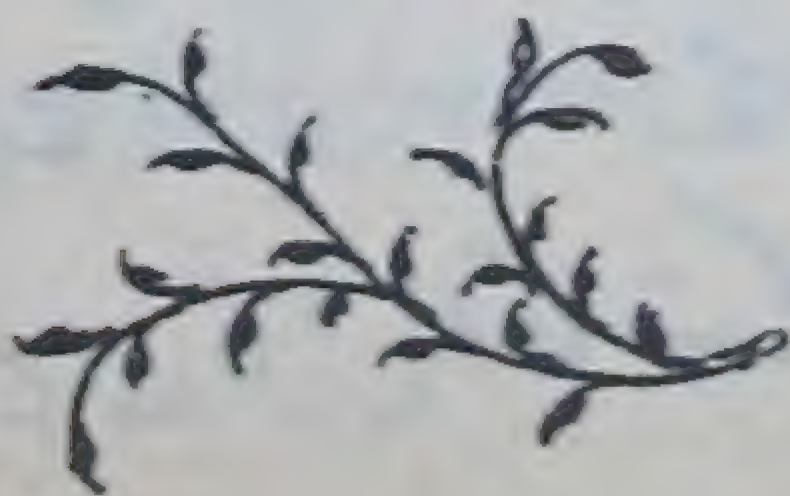
پپیہا مجھے اپنی داستانِ محبت اور نہ سُنا............ بلکہ ان گذشتہ خواب ہائے مسرت کی یاد میرے قلب میں دوبارہ پیدا کر دے............ جن میں تاروں بھری رات اور صبحِ صادق کیوقت میرا عاشق آہستہ خرامی کے ساتھ میرے پہلو میں آجاتا تھا............

دریا پر ہلکے ہلکے بادل منڈلا رہے ہیں............ تارِ باراں میں پکھراج کی طرح جڑے ہوئے آم کے پتے لرزاں ہیں۔

پھولوں کی ڈالیاں جنبش میں ہیں۔

لیکن............ اے پپیہا! بارانِ رحمت اور ان تمام چیزوں کا حُسن و جمال

کس کام کا ہے جبکہ میرا حبیب مجھ سے جُدا ہے.........اور مَیں اُس سے پھر نہیں مِل سکتی۔

پپیہا! اپنی "پی کہاں" سے میرے دِل کو نہ دُکھا.....اپنی داستانِ محبّت اور نہ سُنا.........

تو میرے دِل میں ایّامِ رفتہ کی یاد پیدا کر کے ایک ٹیس لگا دیتا ہے صبح تیرے منّور جنگل میں طاؤس کو اپنے ہمنشین کے لئے چِلّاتے ہُوئے سُنتا ہُوں، کوئل کی غم میں ڈوبی ہوئی کوک سُنتا ہوں۔

چمن میں بُلبُل و قمری کا شیرین و دلنواز نغمہ سُنتا ہوں لیکن پپیہا تو ہی بتا میرے لئے انکی موسیقی کیا کر سکتی ہے؟!

مجھے ان کے نغمہ ہائے مسرّت و محبّت ایک آن نہیں بھاتے۔ کیونکہ مَیں غمِ ہجراں نصیب ہوں، میرا دوست مجھ سے دُور ہے......... بہت ہی دُور ہے!

"تنہا!"
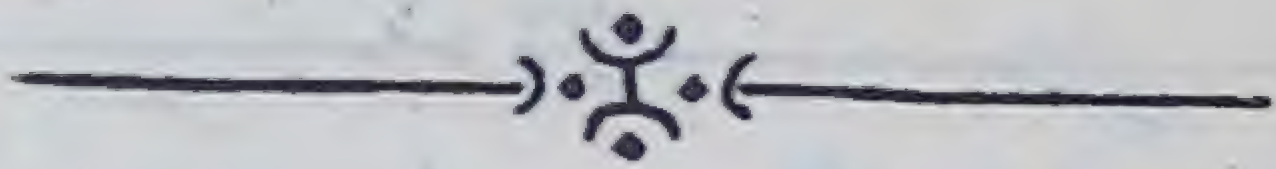
میرے محبُوب! مجھے پھولوں سے لدے ہُوئے ایک ایسے تنہا گُلشن کی ضرورت ہے جہاں مسّرت کی مانوس اور خوبصورت روشیں ہوں.........!

انار کے درختوں میں صبح کی عطر بیزی ہو........!

رات کے خاموش و مُسکت نخلِستان ہوں.........!

میرے محبُوب! مجھے ایسی تنہائی کی ضرورت ہے جہاں چاندی کی طرح چمکنے والی موجیں ہوں!

زندگی کی مانوس ندّیاں ہوں اور لہروں کا دمبدم زیر و بم ہوتا ہو!

جہاں اُمید کا سمندر دُور تک پھیلا ہُوا دکھائی دیتا ہو۔ آرزوؤں کے تیز رَو دریا بہہ رہے ہوں۔

ماہِ نَو کے جلوؤں سے مسحُور، خوابوں کی ایک نرم رو خلیج ہو!
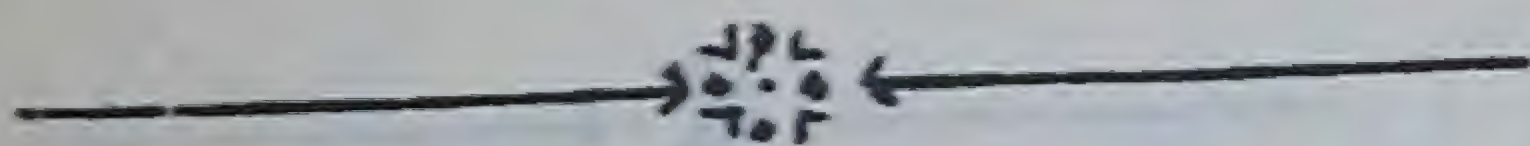
میرے محبُوب! تیرے کاشانۂ راحت سے آنیوالی کوئی ہوا مجھے پیغامِ حیات نہیں پہنچاتی.........!

تیری آمد کا حیات بخش پیام دینے کے لئے کوئی ستارہ بھی میرے لئے نہیں جھپکتا!

معلوم نہیں تقدیر کا وہ کونسا پُر مسرّت، یا اشک آلُود لمحہ ہو گا جب میں تیری دید حاصل کر کے ایک راحتِ اَبدی میں گم ہو جاؤں گا؟

.........میرے محبُوب!

ایک راجپوتی نغمۂ محبّت
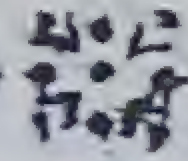
پاربتی :

(دریچہ میں سے!)
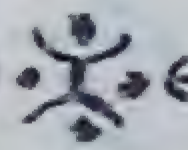
میرے محبوب!

اگر تو تُلسی کے پھول ہوتا تو میں تجھے اپنی زلفوں میں پروتی......

اگر تو مرصّع و زرکار نگینہ ہوتا تو تجھے اپنی آستین میں زینت کے

لئے لگاتی......... میرے محبوب! اگر تو کیوڑہ کی رُوح ہوتا....

.... جس نے میرے ریشمین لباس کو آج معطّر و مسحور کر رکھا ہے

.... تو میں تجھے اس پٹکہ کے چمکدار اور شنگرفی طرّہ میں منسلک

کر لیتی جسے میں آج بُن رہی ہوں!

→ ❋ ←

میرے محبُوب! اگر تو ایک معطّر پنکھا ہوتا.........
.... (جیسا میرے تکیہ پر پڑا ہوا ہے)
یا ایک صندلی شہنائی۔
.... یا ایک چاندی کا چراغ .... (جو میری قربان گاہ کے سامنے اس وقت جل رہا ہے) ....

تو میرے محبُوب! وہ کیا ہی خوبصُورت زندگی ہوتی ہماری .... پھر مجھے حاسدِ صبح کی کیا فکر ہوتی جو میرے اور تیرے درمیان جُدائی کی تاریک و غمگین نقابیں ڈالکر حجاب پیدا کر دیتی ہے؟!

جنگلی مکھیو......... دوڑو، باغ کیجانب جہاں آفتاب غروب ہو رہا ہے!

جنگلی طوطو.............. اُڑو! مغرب کے گلشنوں

کی طرف!..............

آ!.......... اے نازک و شیریں و مُسکن تاریکیٔ شب آ!

اور میرے محبوب کو میرے سینہ سے لاکر لگا دے!!!

امر سنگھ:

(گھوڑے کی زین پر سے)

میری شیریں! اگر تو وہ عقاب ہوتی جو میرے ہاتھ پہ بیٹھا

ہُوا بازو پھڑ پھڑا رہا ہے.........؟

(جس کے گلے کے گھونگرو چلتے وقت بجنے لگتے ہیں)

شیریں!........ اگر بگلے کا پر ہوتی تو میں تجھے طرفِ کلاہ بنا

لیتا...... اگر تو وہ چمکیلی، تیز، آبدار اور ناقابلِ شکست تلوار ہوتی

جو میرے پہلو میں لرزتی رہتی ہے.........؟

شمشیر ہیں ! اگر تو میرے دشمنوں کے خلاف ایک سپر

ہوتی ....؟

کٹھن سفر کے لئے اگر تو فیروزہ کا تعویذ ہوتی ....؟

تو میرے محبوب !

نقارۂ صبح کی ضربیں مجھے تیرے سینہ سے کیونکر جدا کر سکتیں ؟

ہمارا وصالِ نیم شبی طلوعِ صبح کی وجہ سے کیونکر ختم ہو جاتا ؟ !

جنگلی ہرنو ..... ! .... جلدی کرو ان مرغزاروں کیطرف

جہاں آفتاب کی آخری کرنوں کے تیر ٹوٹ ٹوٹ کر غائب ہو

رہے ہیں !

..... جنگلی گھوڑو .... بھاگو !

.... مغرب کی چراگاہوں کی جانب !

آ اے شبِ پُرسکون اپنی نازک و آرادہ تاریکی کے

غلاف کو لئے ہوئے .... اور لے چل مجھے میرے

محبوب کے معطر و شمیم نفس سینہ پر !!!

سرودِ عشق!

(فارسی سے)
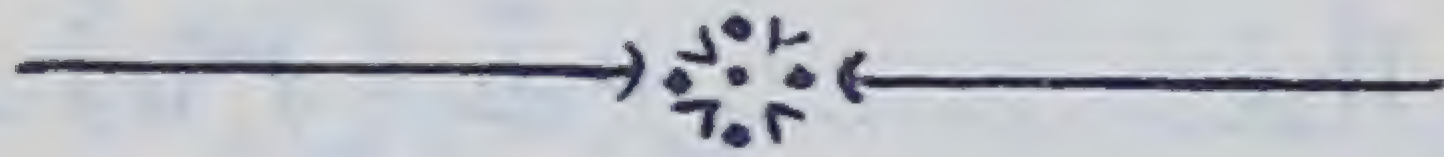
میرے دوست! معلوم نہیں، جب تو مسرور ہوتا ہے تو میرے دلِ مسرور کی ضربات کیوں بڑھ جاتی ہیں؟-

میرے محبوب! معلوم نہیں، جب تو رنجیدہ ہوتا ہے میرا دلِ وحشی کیوں اشکبار ہو جاتا ہے؟!

معلوم نہیں جب تیرا فرقِ نازک بالشِ کمخواب پر ایک پُر راحت خواب میں محو ہوتا ہے........ تو میرا دلِ بیدار خود بخود کیوں ایک

سکون محسوس کرنے لگتا ہے ؟!
مگر جب تیری آنکھیں غم و الم سے دُھندلی ہو جاتی ہیں تو میرے دِل میں تیز اور زہریلے تیر کیوں آ آکر پیوست ہونے لگتے ہیں۔
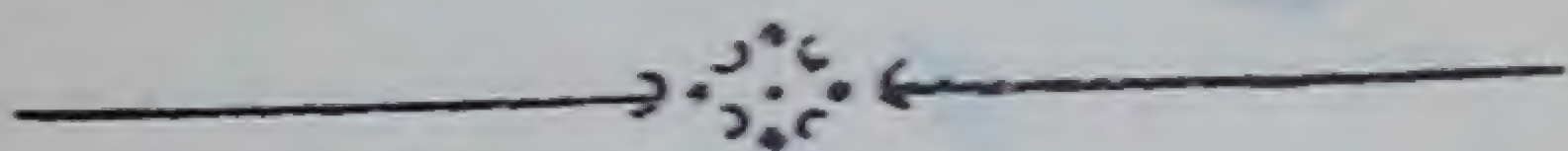
معلوم نہیں......... میرے محبوب !......... یہ طلسمی پھُول کیونکر حیاتِ نَو حاصل کرتے ہیں......... خدا کرے جب یہ پھُول کِھلیں تو ہم "من تن شدی تو من شدی" کے مصداق ہو جائیں!!!

۲۔ "نغمات بہار"
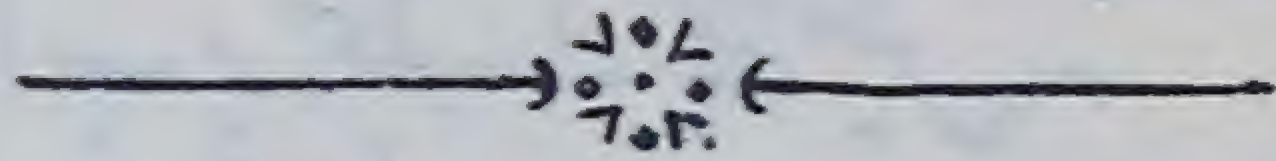
بہار!

بڑ کی ٹہنیوں کے پتّے سبز ہو گئے۔

پیپل سُرخ پپیلیوں سے لدَ گیا۔

شکم انجیر پھٹ گیا.........مَسْت خوشبو پر شہد کی
مکّھیاں عالمِ جوش میں بین بجا رہی ہیں.........آہ! انکی نرم
بھِنبھِناہٹ کا عمیق شور!
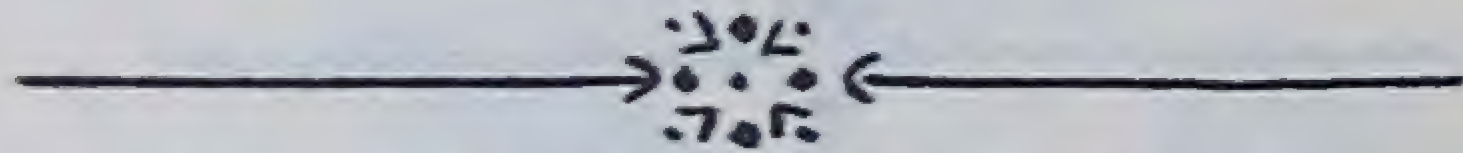
مُنہ بھرے پھُول چیخ چیخ کر شہد کی مکھیوں کو دعوتِ لب چشی
دے رہے ہیں.........آہ! آمدِ بہار کی شیرینی!
خشخاش نے اپنے اوراق کھول دیئے اور زرِ گل ندّی کی چادر

یہیں پر بکھر گیا............

جھیل کے کنارہ پر مُونگے اور ہاتھی دانت کے رنگ کی سوسنوں نے اپنے نازک اوراق ایک ارتعاشِ خفی کے ساتھ کھول دیئے اور سطحِ آب پر ہچکولے لینے لگیں۔

نیل کنٹھ نے اپنے بازو پھڑپھڑائے......... گلابو نکی خود رَو باڑ میں تیتریوں کے پروں نے جُنبش کی......... ہوا میں تھرتھری پیدا ہو گئی......... قریب کی پہاڑیوں میں ایک خفیف نیلی روشنی چمکنے لگی......... آہ! آمدِ بہار!
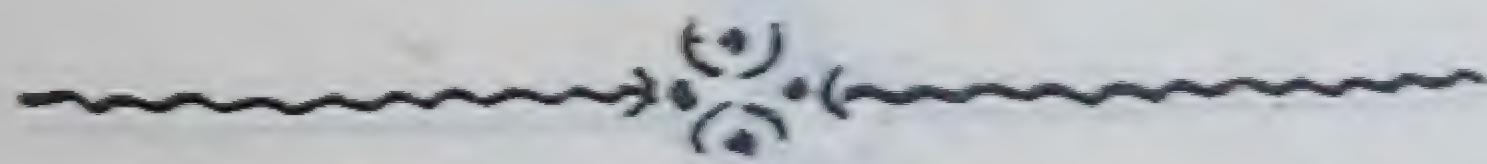
پھُولوں کے کنج میں جہاں مندر کی گھنٹیاں صبح و شام گونجتی رہتی ہیں......... کملا محوِ خرام ہے.........

کرشن اپنی بانسری پر ایک نغمۂ بہار و عشق پیدا کر رہا

ہے!!

آمدِ بہار ہے! بہار کی رعنائیاں منظرِ عام پر ہیں!!!

نغمات نغمات

ایک نغمۂ بہار!
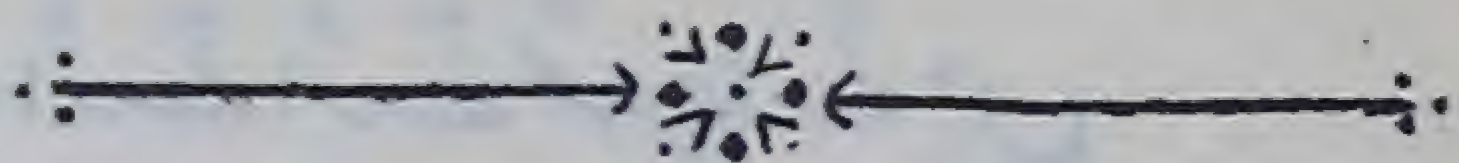
شہد کی مکھیاں کام دیوتا کے جال سے آزاد ہو کر آم کے بور کے گرد ناچتی رہتی ہیں۔

مُرغانِ دشت تُرنج کے پتّوں میں اپنے بازو پھڑپھڑاتے ہیں اور گُلِ بہار کے سُرخ و شیریں شہد کے معطّر جُرعے پیتے رہتے ہیں۔

آفتاب کی زرّین کرنوں کے جال میں کرمکِ شب تاب کا رقصِ مسلسل دیکھو! .... آہ! ان سُنہری بازوؤں کی تابشِ متحرّک! موسمِ بہار! .... اے حیاتِ مختصر .... تجھے

فرطِ جوش اور عالمِ رنگ و بُو میں خوابہائے پریشان اور دلہائے
پژمردہ کی بھلا کیا خبر ہو گی ؟

ہوا میں وہ اڑتے اڑتے ٹھہر جاتے ہیں .... اپنے رقصِ
نازک اور پروازِ قدسی میں ایک خفیف سی سستی پیدا کر لیتے ہیں۔
نسیم دانا سوسن کی پنکھڑیوں کو منتشر کر کے اُن کے کان میں
کچھ کہتی ہے .... اور وہ مسحور و سرنگون ہو جاتی ہیں ....
.... پھر ستاروں تک اُڑ کر جاتی ہے اور اُن سے پیدائش
شب کی پیشین گوئی کرتی ہے !!
وہ منزل پر جلد پہنچنے والے مسافروں کے پیچھے گئے ہیں دُعاؤں
کو اپنے پروں پر بٹھا کر منزلِ مقصود پر لے گئے ہیں !
وہ "موت" کے گھر میں رہے ہیں انہوں نے اس کے فرمان
لوگوں تک پہنچائے ہیں۔ انہوں نے سُورج کی کرنوں کے خرمن

کو اپنے بازوؤں سے چھاتا ہے ....

اُن کے لبوں نے سمندر کے قرمزی پانی کو چُوسا ہے!۔

رازِ بہار!

موسمِ بہار!........اے موسمِ بہار!........تیرا راز کیا ہے؟........

بُلبُل کا ترانہ؟

خندۂ گُل؟

چاند کی کِرنوں پر شبنم کا رقص؟

صفیرِ چمن کا نغمۂ تحریک؟

عرُوسِ نو کے ارمان؟

دوشیزۂ جمال کے تصوراتِ رنگین؟

"گُلِ مسرت" کی پنکھڑیوں کو کِھلتے ہوئے دیکھنا؟

بہار!...... اے موسم بہار!........ تیرے جوش کا راز کیا ہے؟!!

بہار!....... تیری مستی کا یہ عالم کیوں ہے؟
کیا وہ فرحت و نشاط جو جذبات نبض تیز کر دیتا ہے جس کے
سحر سے ہر تخم جمال پھوٹ نکلتا ہے؟
.... جو آسمانوں کو تاراج کرتا ہے؟
اور قلب زمین میں اُگی ہوئی "شاخِ مسرت" کو
"گل ہائے فرحت" سے لالہ زار کر دیتا ہے؟!!

بسنت پنچمی
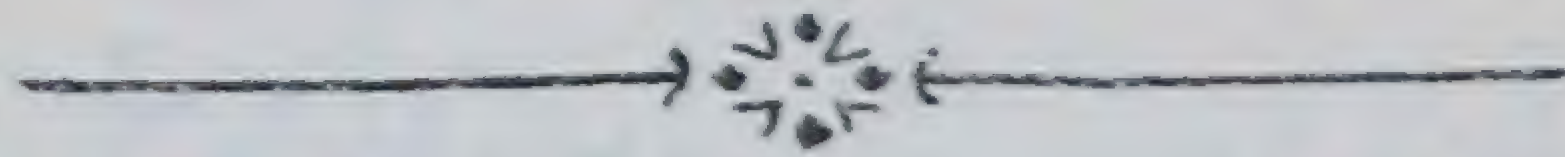
(لیلاوتی ایک ہندو بیوہ بسنت پنچمی کے
مقدس تہوار پر اپنے غم و الم کے جذبات
کا جس گہرائی کے ساتھ اظہار کرتی ہے وہ
داد طلب اور فکر انگیز ہے!!!)
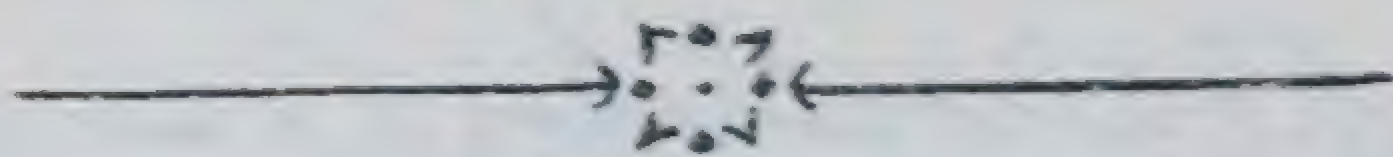
چمکدار پروں والی مکھیو! جاؤ میرے لئے پیغامِ بہار کیوں لائی ہو؟

او چہچہانے والی کوئل! اپنی جوشیلی "کوکو" بند کر!......

.... اوہ! چپ ہو جا!

مینا !........ تو بھی خاموش رہ !.......... ورنہ
کسی اور باغ میں جا کر شور مچا.......... !
تمہاری دلکش آوازیں میرے دل میں زہر آلود تیروں کی
طرح آکر پیوست ہوتی ہیں !
گل مُہر !........ اپنی خون آشام روشنی کا پَرتو میرے
دروازہ پر مت ڈال .... اپنی آتشِ قلب کو بُجھا !
.... چمپا !............ میری پیاری ! تو بھی اپنی سفید گھنٹیاں
سُکیڑ لے اور مکھیوں کو اپنے رسیلے امرت کا لالچ نہ دے !
.... اور اے سَرَس کے پیارے درخت تو بھی اپنے تنفّس کو بند
کر لے اور سر سرانا ختم کر دے ....
تیری جُنبشوں کے ساتھ میرا دِل ہَوا ہُوا جاتا ہے !
.... آہ ! اگلی یادیں مجھے ستا رہی ہیں !!
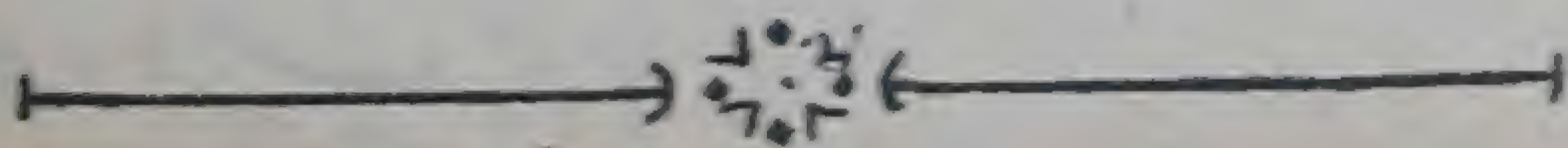
اے خوش رو لڑکیو ! جو صبح سویرے اپنی چوکھٹوں کو صندل سے لیپو گی..........

اور اے عروسانِ نو جو اپنے مرصع پیروں سے ندی کے کنارہ پر چاندی کے چراغ اور نوزائیدہ اناج کے تحفے لیجا رہی ہو!

تم بسنت کی تکریم میں کوئی گیت نہ گاؤ!.......... آہ! تم اپنے بول یہیں ختم کر دو!.......... بس اپنی آوازیں دھیمی کر لو جب میرے دروازہ کے سامنے سے گذرو! اُف!........ میرا دل پاش پاش ہے!......... میری ہم عمر لڑکیو! میں بیوہ ہوں!!!

⟶ ⁂ ⟵

آہ! مجھے آشیاں نشین پرندوں سے کیا غرض؟!

سوسن کے شہد، میٹھے اناج، اور ہاتھی دانت کی طرح سفید دہی میرے کس کام کی ہے؟!!

کیلے کے پھولوں اور اناروں سے مجھے کیا رغبت؟!! اور دارُہ

کی گلاب پوش محرابیں اور مہکتے ہوئے نغمے میری رُوح میں تازگی نہیں پیدا کر سکتے!

مندروں کا چراغاں اور قربانگاہوں کا خوشبودار دھواں جہاں مسرور و شاداں عورتیں اپنی مرادِ دلی حاصل کرتی ہیں......... میری روح کی بالیدگی کے لئے بالکل بے اثر ہیں......... میں یُونہی سوگوار رہونگی!
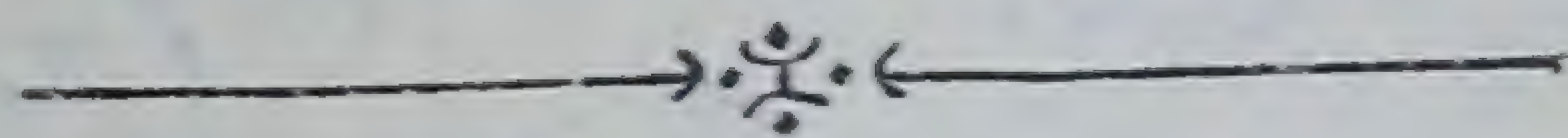
افسوس! افسوس!! میری زندگی رنج و الم کے لئے وقف ہے .... ایسی سوگوار و پژمردہ جیسے پامال شدہ گھاس کی مُنحنی پتّیاں.........

میرے غنچۂ دل کو بادِ غم کے مسمُوم جھُونکے نے مُرجھا دیا اور اس طرح گر پڑا جیسے پژمردہ پھول کی خشک پتّیاں!!!
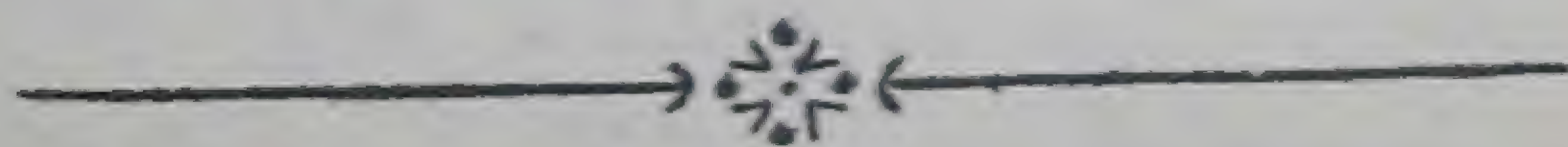
بہار کے حیات افزا بوسوں نے جس شے کو مَس نہیں کیا وہ پژمردہ ہو گئی.......... آہ! میرا دِل بھی اس ہی طرح صَرفِ غم ہو گیا!!!
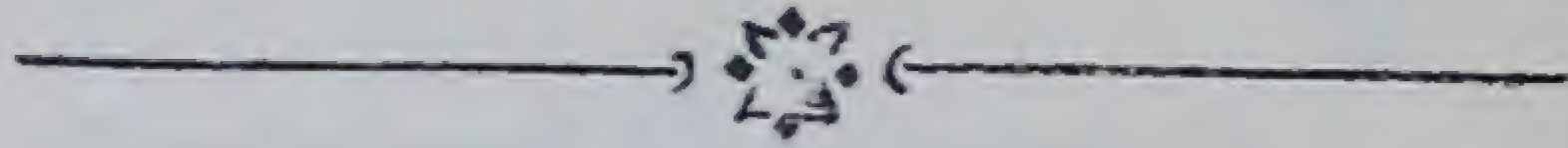
پھولوں کا موسم!

محبوب! آمدِ بہار کی تجھے خبر ہے؟
تجھے معلوم ہے پھولوں کا موسم آ گیا؟......... اپنی سحر طراز شہنائی بجاتا ہوا!

عروسِ بہار نے زمین پر قدم رکھا اور اُس نے لالہ و گل کے خزانے اُگلنے شروع کر دیئے۔

بادام کے درخت کی ٹہنیاں اوراقِ سبز سے لچکنے لگیں تیرے دستار کی مرصّع کلغی کے جواہرات کا عکس منوّر ندی کے پانی پر پڑ کر سبز پتّیوں پر چمک رہا ہے!

انار کی شوخ پتیاں چٹک رہی ہیں

...... نازک اور خوبصورت جنگلی سوسنیں اُگ آئیں......

آہ! وہ سوسنیں جو تم دوشیزگانِ جمال پر لعلوں کی طرح اسوقت نچھاور کرتے تھے جب وہ نوروز کے دِن جذباتِ بہار سے مست ہو کر ناچتی تھیں!
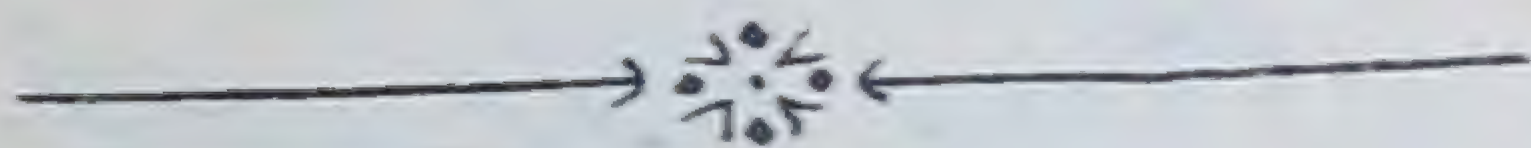
میرے محبوب! بہار آگئی! ...... پھولوں کا موسم آگیا......

...... تمہیں خبر ہے؟!

صبح کی سپیدی اور شام کی رنگینی بڑھ گئی۔ زندگی کا جوش و انبساط۔ تعطر و فرحتِ دِل کتنا بڑھ گیا ہے!!!

بادِ مغرب نے حِنا، نیم اور سرس کی حیات بخش شراب کے جرعے پی لیئے ہیں اور وہ مستانہ وار پھر رہی ہے!

میرے محبوب! ان ہواؤں نے تمہاری عجیب و غریب اور سرد

وخاموش نیند کو بھی پریشان کیا؟!

تمہارے غیر متغیّر خوابوں کو بھی منتشر کیا؟!

جس جمال کی تم پرستش کرتے تھے اور جس عالمِ تصوّر کے تم شیدا تھے اس کارگاہِ خیال کو بھی ان پھولوں کی ہوا نے درہم برہم کیا؟!
میرے محبوب! کیا تم اپنے خوابِ بے کیف سے ایک ساعت کے لئے بھی جاگنا چاہتے ہو؟ .... آہ! صرف ایک گھنٹہ شیریں محبّت کی خاطر سے .... اس نوروز کی آمد پر .... اس موسمِ گُل میں چند لمحات عیش و نشاط گزارنے کے لئے؟

گُل مہر کی تعریف میں!

گُل مہر!........ اے بہارِ رنگین کے دلنواز مُحسن!

تیرے جمالِ زرّین کو کون پہنچ سکتا ہے!

تیرا رنگ عروسِ نَو کے ملبوسِ شب کی طرح سُرخ ہے یا کسی طائرِ وحشی کے بازوؤں کی مانند شعلہ گون! ورنہ اس مَن کی طلسمی روشنی کی طرح جو ایک "راج ناگ" کی پیشانی میں جگمگاتی رہتی ہے!

گُل مہر!........ اے بہارِ معطّر کے تاج! تیرے خیرہ کُن جمال، تیری غمّازہ چمک اور لالہ سامانی کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

کسی زرّین صبح کے منوّر بادلوں کی خیرگی!

یا سطحِ آب کی چادرِ سیمیں کا نور!

یا اُس خون کی چمک جو ایک راجپوت رانی[1] کی حفاظت میں

ہزاروں خود دار سینوں میں سے بہا تھا!!!

---

[1] راجپوت رانی سے مراد چتوڑ کی مشہور پدمنی سے ہے۔ جسکی تفصیل تاریخ کے صفحات پر جابجا موجود ہے اور جو ہندوستانی گیتوں کا عام موضوع ہے۔

بہار!

فصلِ بہار آئی ....

برگد کے ٹہنوں پر ننھّی ننھّی سبز کونپلیں اُگنی شروع ہوئیں۔ پیپل کی سُرخ سُرخ پیلیوں پر طوطے شور مچانے لگے۔ اور رَس بھرے غنچے شہد کی مکھیوں کو لٹنے کی دعوت دینے لگے۔ گُلِ لالہ نے چادرِ سیمیں پر اپنے رنگوں کی بہار دکھانی شروع کردی ہے۔ جھیل کے کنارے سفید و مونگیا بنفشہ کی نازک پتّیاں چٹک رہی ہیں۔

مُرغانِ آبی اپنے پروں کی مسلسل جُنبش سے ہوا میں ارتعاش و اضطراب پیدا کرنے لگے۔

نیلی نیلی پہاڑیوں پر جنگلی گلاب کے گرد ننھی ننھی تیتریاں اپنے ارغوانی رنگوں کے ساتھ فضا میں متحرک ہونے لگیں۔

غرض فصلِ بہار آ گئی!
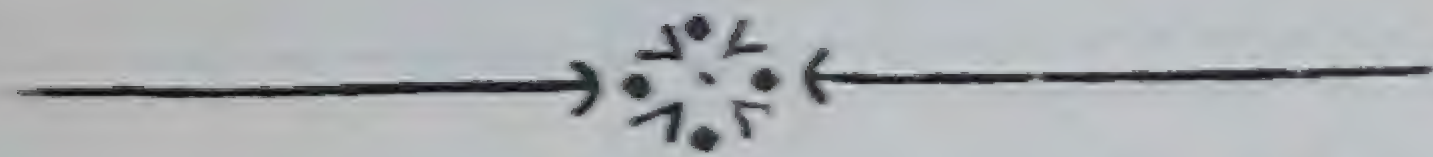
ناقوس نواز مندر کے مقدس پائین باغ میں کملا محوِ خرام ہوئی۔

کرشنا نے اپنی بانسری میں "محبت" اور "بہار" کے شیریں نغمے پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

"بہار آ گئی!"۔ "بہار آ گئی"!
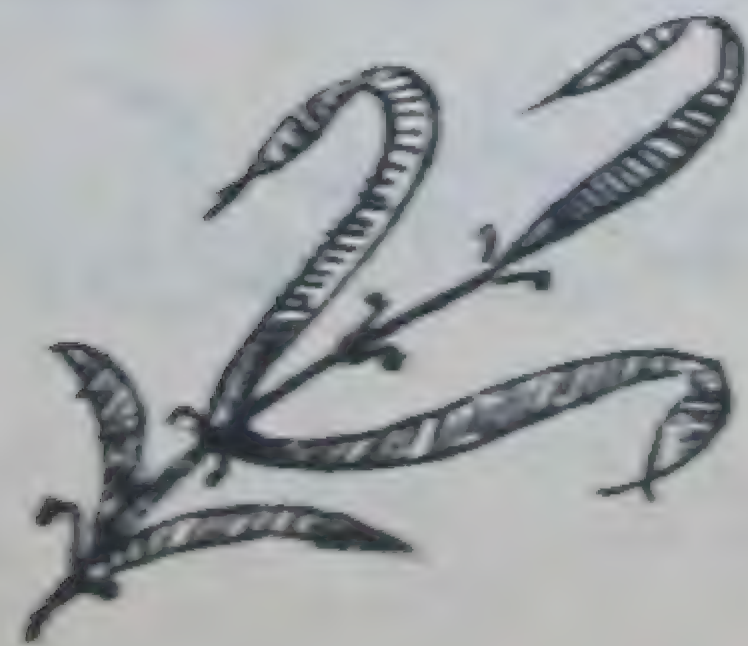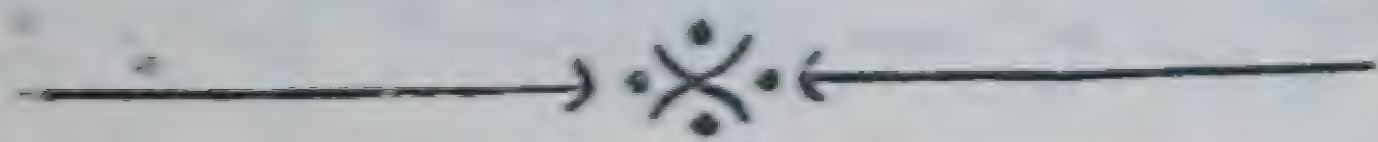
بہار کا راز!

فصل بہار! اے فصلِ بہار، تیری مسرّت و شادمانی کا راز کیا ہے؟

.... بُلبُل کے ترانے؟

.... گلاب کا خندہ؟

ماہتاب کی کِرنوں کے نیچے قمری کا مست رقص؟

فضا میں موسیقی پیدا کرنے والے مُرغِ خوش گلو کا نغمۂ شیریں؟

کسی عروسِ نَو کے ارمان؟

کسی دوشیزہ کے جذبات و حسیّات کا طوفان؟

یا گلہائے مسرّت کی نیم شگفتہ پتّیوں کے کھلنے کی آرزو؟

فصلِ بہار! تیری مسرّت کا، تیرے جوش کا، آخر راز کیا ہے؟!

فصلِ بہار! اے فصلِ بہار! تیرے جوش کا راز کیا ہے؟
کیا تیرا راز وہ مسحور کن مسرّت ہے، جس کا خیال ہی ضرباتِ نبض تیز کر دیتا ہے۔

دِل کی جُنبش بہم کر دیتا ہے!
ہر حسین و جمیل چیز کی تخلیق ہونے لگتی ہے، فلک مفتوح ہو جاتا ہے، اور وہ غنچہ نکل آتا ہے جس کا تخم کشتِ آرزو میں پڑا تھا، جس کی آبیاری اُمّید نے کی تھی!
غرض بہار آتے ہی کائنات میں قوّتِ نمو بڑھ جاتی ہے!
اے فصلِ بہار! اس جوش و مستی کا راز کیا ہے؟

نشتر!
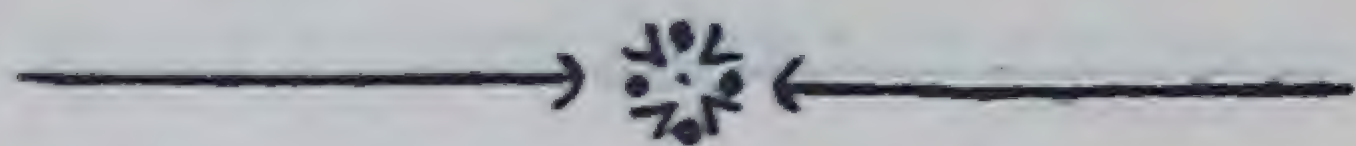
مست، تیز اور زود اثر خوشبو والو!
لطیف و نازک اور چمکیلے پھولو!!
تمہاری اُلجھی ہوئی پنکھڑیاں عطر و آتش کے گہوارے ہیں.....
یہ پنکھڑیاں:—

سَرسوتی.........کے غم ہیں!
سیتا.........کی خواہشیں ہیں!
دروپدی.........کے ارمان ہیں!

نوٹ:- یہ عورتیں سنسکرت کے قصّوں اور گیتوں کے غیر فانی کردار ہیں جنکی عصمت و عفّت کی داستانیں اور اوصافِ حمیدہ اب تک ہندوستان کی عورتوں کے لئے مایۂ صد

دمینتی .... کے خوف ہیں!

اور

شکنتلا .... کے اشک ہائے سحر ہیں!!!

(گذشتہ سے پیوستہ) افتخار ہیں اور جن کی مثالیں اُن کے دلوں کو اب تک متحرک کر دینے کی غیر محسوس قوت پنہاں رکھتی ہیں! —

زرد چنبیلی!

شہری کلیو............ جو میری راہ میں جا بجا پڑی ہوئی
ہو، لوگ کہتے ہیں تم خنگی پھول ہو!
مگر میرا خیال ہے کہ شاید تم کسی گرے ہوئے ستارہ کے
ٹکڑے ہو!
یا پریوں کی درگاہ کے سنہری چراغ ہو!
ورنہ پریوں کی شراب کے زرّین ساغر!
یا غالباً.......... اے نازک و شیریں کلیو.......
تم "عروسِ بہار" کی چھاگل کے ٹوٹے ہوئے متزّ تم گھونگرو ہو!!
یا کسی عروسِ جمال کے منجمد آنسو ہو جو اس نے اپنے

گم گشتہ آقا کی یاد میں بیساختہ بہا دیئے تھے! مگر نہیں، آہ .... تصوّر کی شفق میں تم کسی خواب پراگندہ کے وہمی پیکر و ل کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتے!!!

بہار کی مستیاں!

محبوب!........ میرے قلب! ۔ کوہ و دمن میں، دشت و چمن میں بہار کا دَور دورہ ہے........ اور لو! وہ کوئل نے "پی کہاں" کی رٹ لگائی اور دلوں کو اپنے نغموں سے فگار کرنا شروع کر دیا!

چمکیلے دریاؤں کی روانی کا سرمدی جوش اور پُرسوز نغموں کے ترنّم کو سُنو!

دیکھو! طاؤس ہائے مرصّع کس جوش و مستی کے عالم میں ناچ رہے ہیں۔

میرے محبوب! میری روح و قلب! کیا اِس عالمِ رنگ و بُو

میں.......... اس زمانۂ گل و گیاہ میں ہم حزن و ملال سے

سرنگون رہیں گے.......... نہیں! - آؤ!!

اِس جوشِ بہار........ اس زمانۂ نشاط و مستی میں......

.... ہم زندگی کے دلنواز نغموں کے ساتھ ہم آہنگ ہو ں

گے - میرے محبوب!...... ہمیں روانیٔ دریا اور طائرِ نواسنج سے

موسیقی مستعار لینی چاہئیے.......... آؤ ہم بھی انکی طرح ہم گلو

ہوں.........

.... کیونکہ برسوں پڑے ہیں ابھی رنج و ملال کے سوگ

منانے کے لئے.......... "ابھی تو ہم جوان ہیں!"........ ابھی

تو دُنیا جوان ہے.......... آج تو بہار ہے!

.... "بہار پر بہار ہے"!!!

۳۔ "عوام کے گانے"

ایک دیہاتی گیت!
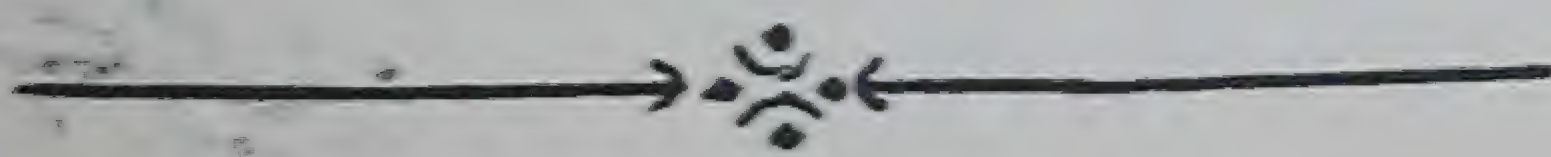
میرے گھڑے بھرے ہوئے ہیں اور منزل دُور ہے......
......طویل اور سنسان!

اوہ!......... میں کشتی والے کی بانسری سُنکر اس قدر مدہوش کیوں ہوگئی تھی! افسوس!......... مجھے کیا ہوگیا تھا؟!
رات کے تاریک سائے بھوتوں کی طرح آہستہ آہستہ زمین پر چھا رہے ہیں۔ اوہ! ذرا سُننا! کیا یہ سفید حواصل کی آواز ہے؟ اوہ! ٹھیرنا!......... کیا یہ اُلّو کی آواز آرہی ہے!
مسافر نواز چاند کی ٹھنڈی کرنیں بھی نہیں ہیں! راستہ تاریک اور بھیانک ہے! اندھیرے میں کہیں کوئی سانپ نہ کاٹ لے!

یا کوئی بھوت نہ جھپٹ جائے ! رام رے ! رام ! میں تو مر جاؤں گی ! اوہ ! میرا بھائی اپنے دل میں کہے گا "آج کہاں رہ گئی ؟" میری ماں انتظار کرتے کرتے جب تھک کر رونے لگے گی تو کہیگی ہے پرماتما ! اس کو صحیح سلامت پہنچا دے کیونکہ آج جمنا چڑھی ہوئی ہے .... !!!
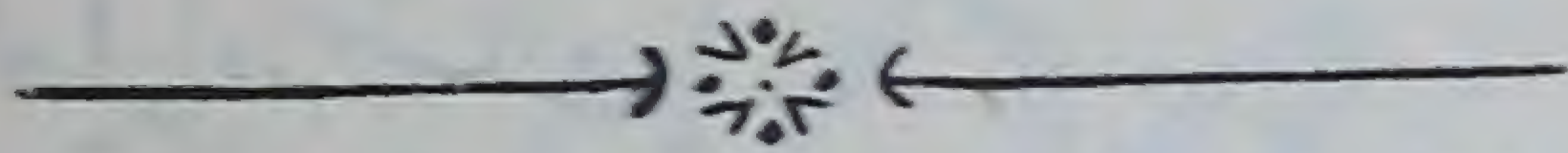
جمنا کا پانی چڑھ رہا ہے ...... دیوانہ وار !
رات کی تاریکیاں بھی بڑھ رہی ہیں ....
سیاہ پرندوں کی طرح ....

اوہ ! اگر طوفان آگیا تو میں کیا کرونگی ؟ میں کہاں جا کر چھپونگی ؟ کڑک سے ، بجلی سے ، کیونکر بچونگی ؟

اوہ ! میرے خدا ! مجھے اس طوفان سے بچا - میرے پیروں کو صحیح راستہ پر ڈال دے اور منزلِ مقصود پر پہنچا دے ! ورنہ میں مر جاؤنگی ! رام ہائے رام !!!

"بپاسِ خاطرِ دوست"

میرے محبوب! میں تیری ضیافت کس چیز سے کروں؟
"سُرخ و سنہری شہد سے یا رسیلے پھلوں سے!"

میرے محبوب! میں تجھے کیونکر خوش کروں؟
"بین کی آواز سے یا مجیرہ کی جھنجھناہٹ سے!"؟

میرے دوست! تیرے بالوں کو کیونکر سنواروں؟
"کیا یاسمینی کنجے کے موتیوں سے؟!"

میں تیری انگلیاں کیسے معطر کروں ؟
گُلاب اور کیوڑہ کی روحِ شمیم بار سے !"

شیریں ! میں تجھے کیسے زینت دوں ؟
طاؤس اور فاختہ کے نُور پاش رنگوں سے ! ؟"

تجھ سے اظہارِ اُلفت کیونکر کروں ؟
محبت کی نازک خاموشی سے ! ؟

چوڑی والے!

"چوڑی والے"! "او چوڑی والے"!
تیری اِن نازک و چمکدار آسمانی چوڑیوں کو کون خریدیگا؟
.......ہاں! ان چوڑیوں کو، اِن نُور کے حلقوں کو!
ان چوڑیوں کو جنکی ارغوانی تابش آثارِ حیات ہیں!
مسرور بیٹیوں اور فرحان سُہاگنوں کے لیئے کون خرید کر لیجائیگا؟
ارے! ہم ہی ہیں جو تیری چوڑیاں لینگے اور اس نُور پاشِ
بار ہائے رنگین کو اپنے ہاتھوں میں لیئے ہوئے مندروں کو جائینگے!
اور دیوتاؤں کو انکی قدسی جھنکار سے جگائیں گے!!

کچھ چوڑیاں تو سنہری ہیں .... کسی دوشیزہ کی مرمریں
کلائی کے لئے !۔

بعض چاندی کے پتّروں کیطرح سفید ہیں !
یا نیلی جیسے پہاڑوں کی کُہر !
کچھ رنگِ شباب میں ڈوبی ہوئی ہیں .... جیسے
اس غنچہ کا رنگ جو جنگل کی کسی آہستہ رو ندی کے کنارے چٹک
رہا ہو !

چند نوزائیدہ پتوّں کی طرح شفّاف ہیں !
کچھ ایسی ہیں جیسے آفتاب سے جُھلسے ہوئے کھیت !........
.... یہ کسی دُلہن کی شب عروسی کے لئے ہیں !۔
بعض اس رنگ کی ہیں جو عروس نَو کے لئے مخصوص ہیں !۔
یا جذبات دِل کی مانند لالہ گوں !
چھَن چھَن کرتی ہوئی ، چمکیلی ، نازک اور صاف چوڑیاں ایسی

انعطاف جیسے خندۂ عروسی.......... یا قطراتِ اشک!

کچھ چوڑیاں ارغوانی بھی ہیں.......... سونے کے پھیکے سُنہری رنگ کی!

یہ چوڑیاں اُن دیویوں کے لئے ہیں جو سینوں میں جذباتِ محبت دبا دبا کر رکھتی ہیں.......... یا عُمر رسیدہ ہیں اور زندگی کی آدھی منزل طے کر چکی ہیں، جنہوں نے اپنے پُرخلوص سینوں پر نیک فرزندوں کو پالا ہے!

یا اس دیوی کے لئے ہیں جو اپنے فرائضِ خانگی انجام دیکر شاداں و فرحاں ہے!

یا اپنے "سرتاج" کے پہلو میں جاکر دیوتاؤں کی عبادت میں محو ہو جاتی ہیں.......... !!!
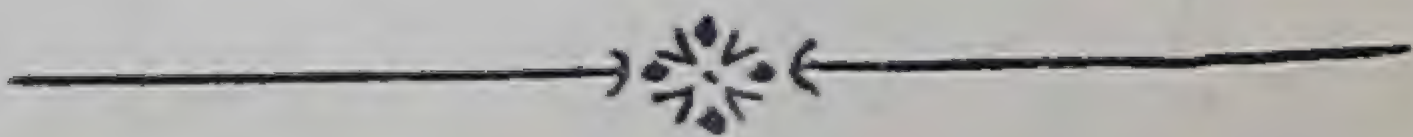
ناگ پوجا کا تہوار

اے چمکنے والو ہوشیار ہو جاؤ!

ہم نے پہاڑی غاروں، ٹیلوں اور بڑ کے درختوں میں تمہارے منتخب شدہ مندروں کو ڈھونڈا ہے ....

اوہ! اپنے خواب پرور سروں کو اوپر اٹھاؤ جن میں قدامت کی عقل و دانش کے خزانے پوشیدہ ہیں ....

اور اے دیوتاؤ! اپنے لچکدار جسموں کو مترنم نغموں پر جنبش دو!

ہم تمہارے لئے میٹھی مکئی، شیریں دودھ، جنگلی انجیر اور سنہری شہد لاتے ہیں ....

کچھ بخود معطر تمہارے گرد ہوا میں ایک مقدس ہالہ بنانے کیلئے
ہم نے بُرنٹ رکھا ہے اور خشک لبوں سے ہم تمہاری تعریف میں
وزنی بول نکال رہے ہیں۔

ہم پُرجوش دلوں سے تمہاری توصیف میں سرنگون اور دست بستہ
ہیں!............ او! ہماری حقیر نذروں کو قبول کرلو تاکہ اُن پر ابد
بھر تک برکت قائم رہے............ آہ! ہماری دلی دعائیں قبول
کرو!.........

ہماری مجبور و بے بس زندگیوں کی پاسبانی کرو۔
ہماری صابرانہ مشقتوں کو بھی مرہُونِ تکمیل کرو!۔
ہمارے عزیز تصورات کو جواہرات کی طرح اپنے چھلکوں میں
منتقل کرلو!

.........اور اپنے خمیدہ پھنوں کو پھیلا کر ہماری حفاظت کرو، جبکہ ہم

سو رہے ہوں۔

ہمارے دلِ مضطرب کی اُمنگوں کو سکون و راحت بخشو!

تمہاری رفتار ندی کی روانی کی طرح تیز ہے!۔
تم ایسے بے آواز ہو جیسے شبنم کی خاموش بارش!۔
ایسے لطیف و غیر محسوس ہو جیسے بجلی کی کوند!۔
آہ! تم ایسے تابناک ہو جیسے سورج کے جلوے!۔
تم فہم و فراست کے مخزن ہو! پیرانِ دانشمند ہو!
تم صدیوں کے اِس طلسمی سکوت کے مظاہر ہو جس میں مِل کر زندگی، موت، غم، جوش اور مستی وستی سب ایک ہو جاتے ہیں!!!

چرخہ کا گیت

چرخہ چلاتے وقت ہندو عورتیں یہ گیت ایک ایک کر کے دہراتی ہیں۔ اور اپنے خیالی محبوب کا تصور کر کے کس قدر پُرکیف جذبات کا اظہار کرتی ہیں۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول اور روزانہ زندگی کی حدود سے متجاوز ہو کر شعر نہیں کہتیں۔ انکی دنیا ہمیشہ وہی ہوتی ہے جو بچپن سے وہ گزار رہی ہیں۔ اور یہی حقیقی شعریت ہے!

پدمنی:۔

آج صبح میری چند بہنوں نے صحن چمن سے جھولے کے لئے
کچھ پھول چُنے اور چہروں پر چمکدار نقابیں ڈال لیں......

کیونکہ بسنت پنچمی آنے والی ہے۔

میرے محبوب اپنے انگوروں سے زیادہ خوش ذائقہ اور آشیاں نشین پرندے کے نغمہ سے زیادہ دلپسند تیرے بالوں کی خوشبو اور تیرے الفاظ کی موسیقی ہے!

مادھوری :-

میری بہنیں چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی زعفرانی روٹیاں پکا رہی ہیں۔ انہوں نے "ناگ پنچمی" کے لئے چھتوں سے شہد جمع کر رکھا ہے۔ میں ناگ ضرور پوجونگی کیونکہ جس طرح اسکی پیشانی میں جوہر دمَن، ہوتا ہے۔ اسی طرح میرے دل میں تیری محبت کا نور ہے!

سرسوتی :-

میری بہنیں شام کو ایک پُرانی لَے کا پریمی راگ گا کر
چُپ ہو رہیں۔
اور ایک نے چاندی کے چراغوں کی قطار روشن کر دی
کیونکہ "دیوالی" قریب ہے.........
مگر میں کھڑکی کے کواڑوں سے لگی کھڑی رہی۔ اور آسمان
کو تکتی رہی جو ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔
اور اے میرے محبوب! میں نے جب تیری آنکھوں کے
حُسن کا ان ستاروں کی دمک سے مقابلہ کیا۔ تو بہت
شکر کیا۔ کیونکہ وہ انکی چمک سے کہیں زیادہ تھا!

۴- "نغماتِ زندگی"!

حسین ساگر!

(حیدرآباد دکن)

سپید صبح اپنے جمال کی پُوری تابانی کے ساتھ تیری سطح چومتی ہے

.......آہ! اظہارِ اُلفت کا یہ نورانی منظر!

غروبِ آفتاب کے وقت اڑنے والے بادل مجھ پر چھا جاتے

ہیں اور منڈلاتے رہتے ہیں۔

.......اور تیرے حُسنِ درخشاں سے اکتسابِ نور کرتے ہیں.......

پیتے ہیں تیرے سرچشمۂ جمال سے چند جُرعاتِ نُور!

مگر تیرے حُسنِ حقیقی کی جھلک کوئی نہیں دیکھ سکتا!.........سوائے

بادِ مغرب......... تیرے حبیب.........کے!!

گلاب و قرمز کی رنگینی و لطافت کا اسرار تیرے سینہ میں پوشیدہ

ہے اور تیری چادرِ سیمیں اس پر ایک ساحرانہ حجاب ڈالے رہتی ہے
.... آہ! تیرا جمالِ مستور!

تو نورانی لہریں صرف اپنے حبیب ہی کے لئے کھولتا ہے۔
.... پھر ایک شورِ موسیقی کے ساتھ تو اپنے حبیب کے گرم تنفس کو سینہ
میں جذب کر لیتا ہے............ آہ! تیرا پیمانِ وفا!!
حسین ساگر!............ میری روح کے اے مجسمۂ ذی حیات
.... میں بھی تیری ہی طرح ہوں............ میری نذرِ الفت بھی
صرف ایک ہی کے لئے ہوتی ہے!!!............ آہ! میرا
حبیبِ لبیب!

"میری رُوح کی دعا"

طفلانہ خودداری کے ساتھ میں نے تجھُ سے کہا تھا:۔

میرے آقا!........ اے وہ کہ جس نے اپنے نفسِ ازلی سے مجھے پیدا کیا ہے........ بول! اور مجھ پر موت و زندگی کے تمام رموز و اسرار عیاں کر دے!

تیرے "دستِ ابدی" نے دنیا میں جتنی مسرتیں اور جتنی تکلیفیں پیدا کی ہیں ان کے تھوڑے تھوڑے جرُعے مجھے پلا! کیونکہ میری روح کی ناقابلِ تسکین پیاس، دنیا کے ہر سرچشمۂ مسرت کی شیرینی اور ہر مخزنِ الم کی تلخی سے لب آشنا ہونا چاہتی ہے!

میرے آقا .... میں نے تجھ سے کہا تھا :-

دنیا کی ہر برکت کے دروازے مجھ پر کھول دے !
دنیا کی ہر مصیبت و کشمکش میں مجھے مبتلا کر دے میں گھبراؤنگی نہیں ! افکار و حوادثِ دہر سے میں مطلق پریشان نہیں ہوتی مجھے سب عطا کر ! میں شجاعت سے اُن پر عبور کرونگی !
محبت اور زندگی کے تمام نازک مرحلے طے کرا دے ! .... سب رموز مجھ پر آشکارا کر دے ! .... موت اور قبر کے حالات سے بھی آگاہ کر ! .... میں شرابِ حیات کا تلچھٹ تک پیونگی .... میری تشنگی روح غیر فانی اور ناقابلِ تسکین ہے .... میرے آقا !

میرے آقا ! .... تو نے میری یہ التجا سُنکر کس سختی کے ساتھ لہجہ زیریں میں کہا تھا :-

"میرے بچے! میں تیری دُعا قبول کرتا ہوں۔ تیری رُوح غیر مفتوح پر محبت اور زندگی کے تمام رموز و اسرار عیاں ہو جائیں گے۔

اُمیدیں، آرزوئیں........ مایوسیاں اور ناکامیاں سب تیرے تجربے میں آئینگی!"

"تجھ پر میری عنایت خاص ہیگی۔ تو سرچشمۂ مسرت و شہرت سے لب بوس ہوگی۔ سوزشِ محبت کی بھی تجھے سینک لگیگی اور درد و الم تیری زندگی کے زنگ کو بالکل صاف کر دینگے........ تیری روح پر معائب، صیقل کر دیں گے اور شعلہ کی طرح جل کر کندن خالص کی طرح صاف بنجائیگی!
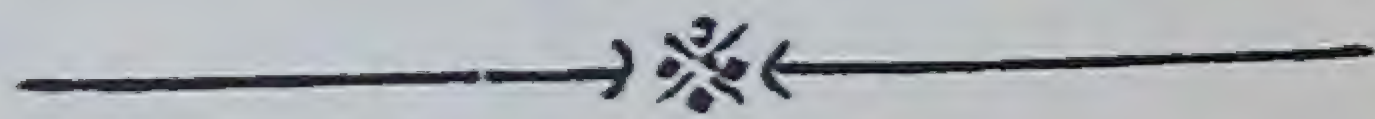
"تیری بے چین طبیعت پھر بھی سکون نہ پائیگی، دنیا کی تکلیفوں سے اُکتا جائیگی۔ یہاں کی مسرتوں سے بیزار ہو جائیگی اور پھر تو توبہ کرے گی

اپنی اس دُعا سے .... اور چاہیگی بھاگنا ان برکتوں سے جو
میں تیری دعا کو قبول کر کے تجھے دُوں گا .... آہ! تیری کم
سمجھی! .... ہاں پھر تو بھٹکتی پھریگی اور تلاش کریگی "سکونِ
قلب" کا معمولی راز! ....

آہ! پھر تو میرے جوارِ رحمت کی طرف بڑھیگی .... تسکینِ
رُوح کے لئے!

اس وقت میں اپنے ساتویں آسمان پر سے پُکار کر بتاؤنگا:-

زندگی .... میرے نور کا مِینار مخروطی ہے!

اور

موت .... میرے چہرہ کا سایۂ تاریک!

رات کیوقت

(بچوں کیلئے ایک لوری)

سوجاؤ! ...... ننھے بچو !! .... سوجاؤ!!!

طلوعِ صبح تک آرام سے سوتے رہو ....

ہمیں تو ابھی بہت دیر تک شب بیداری کرنی ہے، تم سوجاؤ۔

تم سوتے رہوگے اور ہم فصلیں بوئینگے

اور جب تم اٹھوگے تو وہ پک چکینگی

تیار کھڑی ہونگی تمہاری درانتیوں کیلئے!

سوجاؤ! .... ننھے بچو !! .... سوجاؤ!!!

مستقبل زرین تمہارا ہی ہے!

تمہارے ہی ہاتھ ہونگے جو خوابوں کی وہ فصل کاٹیں گے جنہیں ہم نے تمہارے سوتے وقت بویا ہے!

ہم نے رنج اور امیدوں کی زمینوں پر انہیں پالا ہے!
ہم نے اپنے بہائے ہوئے آنسوؤں سے اُنکی آبیاری کی ہے
.........آہ! تصورات کی یہ فصلیں جنہیں تم جاگ کر کاٹو گے!......
.........جاؤ! میرے ننھے بچو، سو جاؤ!!!

صبح کیوقت!

(بچوّں کے لئے)

بچو! میرے ننھے بچو...... صبح طلوع ہو رہی ہے۔ صبح کی گھنٹیاں اپنے شورِ موسیقی سے تمہاری بیداری کی خبر دُنیا میں پھیلا رہی ہیں۔ طویل رات کے ساتھ ہمارا کام بھی ختم ہو گیا ہے۔ رات ہم نے جن کھیتوں کو بنایا تھا اور جو فصلیں بوئی تھیں تیاّر ہیں عنقریب وہ پک کر زرد ہو جائینگی اور تم کاٹو گے......

ہاں وہ کھیتیاں جو ہم نے تمہارے سوتے وقت بوئی تھیں!۔

گو ہمارے ہاتھ نحیف و کمزور تھے مگر ہماری محنتیں پُرخلوص اور

نازک تھیں۔

ہم تاریکی شب میں تمہاری شوکتِ صبح کی پُروقار سپیدی کے خواب دیکھ رہے تھے!

ہم تنہائی اور خاموشی میں مسرّت کے ساتھ صبح کی تیّاری میں لگے ہوئے تھے۔

اور تمہارے بچوں کو اپنے چاہِ غم کے قطروں سے پانی پہنچا رہے تھے۔ تمہارے وقتِ بیداری کو شاداں و فرحان بنانے کے لئے ہم رات بھر مصروفِ عمل رہے .... آہ! اب ہمارا کام ختم ہو گیا۔ وہ شب بیداری ختم ہو رہی ہے .... لو وہ صبح کی پو پھٹ رہی ہے!

بچّو........ میرے ننھے بچّو.........

تم اُٹھ کر ہماری شب بیداری کی محنتوں کا حظ اُٹھاؤ گے.......

.... ہماری روحوں کی اُمیدوں کی تکمیل کرو گے۔

مگر یہ تو بتاؤ......... میرے ننھے فرشتو!......... کہ جب تم بڑے

ہو جاؤ گے تو تم ہماری فصلوں کا کیا معاوضہ دو گے؟

ہمارے تصورات اور خوابوں کی تعبیر کس صورت سے کرو گے؟

کیا ہماری کوششوں کی داد دو گے؟

کیا ہماری اُمیدوں پر پانی پھیرو گے؟

ہم سے اُلفت بھی جاری رکھو گے؟

ہمیں معاف بھی کرو گے؟

.... آخر ہمیں کیا صلہ دو گے؟......!

"تنہائی!"

میرے قلب! .... چل اس طرف جہاں شفق ہمیں بُلا رہی ہے ....

دنیا کے جھگڑوں، ہنگاموں اور آوازوں کے شور سے بہت دُور ....

آؤ چلیں اس جنگل میں، اس دشت میں، اس گلستاں میں
جہاں شبِ مشکیں کی طلسمی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے ....
آؤ چلیں اِس دنیا کے رنج و غم سے اس ہنگامِ الم سے بہت دُور .... چھوڑ دیں اس فرومایہ دنیا کے رشتوں کو ....
وہاں ہماری روحوں کے لئے تسکین ہے، حیات ہے، اور جملہ دنیاوی

کشمکشوں سے چھٹکارا ہے .... ایک راحتِ ابدی!
آ چلیں! اس مقام پر جہاں شب کی تاریکی میں مستقبل کے تمام
غم و الم گم ہو جاتے ہیں۔
آؤ! اس سرزمین کی طرف جہاں خموشی کچھ نہیں ہوتی مگر
موسیقیٔ حیات کے تسلسل کا ایک روح پرور وقفہ!

آؤ! پہاڑ کی اس چوٹی پر چڑھیں جہاں عقابوں کا نشیمن
ہے .... جہاں وہ اپنی عمیق آنکھوں سے تمام ماحول کی
پاسبانی و نگرانی کرتے رہتے ہیں۔
چلو! بادام کے درختوں کے نیچے چل کر لیٹیں ....
اور سنیں نرم گھاس کی نازک پتیوں کے لبوں سے ایک نغمۂ روح
.... اور پہنچ جائیں ایک خوابِ لطیف کی فردوس میں!
.... آہ! ان پتیوں کی جنبشِ متکلم ....

......آہ! ان کے طلسمی گیت جنکی گونج وہ شاید ستاروں کی موسیقی سے چراتی ہیں!

آؤ! چلیں اس عالمِ یکسوئی میں جہاں ممکن ہے ہمیں "سینۂ لانہایت" کی ایک جھلک نظر پڑ جائے........

آہ! وہ دکھائی دے جائے جس کے قدسی سایہ میں ہر قسم کی زندگی اپنے پر کھولتی یا بند کرتی ہے!

صبح کے کنول کے کھلنے سے پہلے جب کائنات ایک نور سے جگمگا رہی ہو........

اور انکی جلوہ ریز پنکھڑیاں اپنے آقا کے سامنے مسکرا کر کھل رہی ہوں........

ہم بھی اس کے گرم سینہ کے سایہ میں جا کر سکونِ نفس حاصل کریں!!!

شام کی دُعائیں!

"اللہ اکبر"! .... "اللہ اکبر"!

مسجد و مینار سے موذنوں نے پکارا

اسلام کے پرستارو! چلو تحریم و تقدیس کی ادائیگی کے لئے

اپنے آقا کے حضور میں!

غروب آفتاب کے سائے متواتر بڑھ رہے ہیں...... چلو

مسجدوں کی طرف! بڑھو فلاح کی طرف!!

"اللہ اکبر"! .... "اللہ اکبر"!

"اوے میریا"! .... "اوے میریا"!

قربانگاہوں پر پادریوں نے اپنا لاہوتی نغمہ والہانہ سرشاری کے ساتھ گانا شروع کیا.........

ابنِ مریم کے پرستارو! آؤ مغرب کی نماز ادا کرو! شام کی دعا کے نرم سُروں کے باجے گونج رہے ہیں

"اووے میریا".............. "اووے میریا"

"اَہُدُوُ مزدا!"............. "اَہُدُوُ مزدا!"

دیکھو! "اوستا" کے ملکوتی نغمے کس روانی کے ساتھ بہہ رہے ہیں!

اے وہ کہ! جو آتش و نور کی پرستش کرتے ہو!.........

آؤ ان ناقابلِ سکون شمعوں کے نیلگوں نور کے آگے جھک جاؤ!

"اَہُدُوُ مزدا!"............. "اَہُدُوُ مزدا!"

"نارائین"! "نارائین"!

برہما کے فرزندو! اپنے ہاتھ اٹھا کر اپنے ازلی و ابدی آقا

کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جاؤ! .... آؤ! ملکر اسکی تعریف

میں ایک نغمۂ قدسی بلند کریں!

"نارائین!" "نارائین!"

"کہاں ؟"

(ایک کشمیری گیت !)
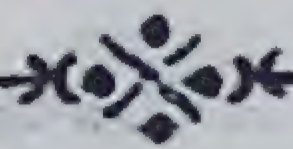
لالۂ کوہ کا مسکن .... ؟

پہاڑ کی بلند ترین چوٹی !

مہندی کی افزائش .... ؟

ایک سوگوار قبر کے گرد !

اُمیّد کی پیدائش .... ؟

عاشقِ صادق کا دِل !

خوف کا مولد .... ؟

ایک غلام کا سینہ !

سنگریزہ کا منبع
..........؟
دریا کی تہہ!
موتی کا آغوشِ مادر
..........؟
سمندر کا سینۂ بے کینہ!
پروانہ کا رقص
..........؟
چاندنی میں!
ناشپاتی کے پتوں کا چکر
..........؟
نشیلی ہوائیں!
خوابوں کا مولد
..........؟
تصورات کی دنیا
شاعر کا دماغ!
شیرینی کا مخزن
..........؟
شہد کی مکھیوں کا چھتہ!

بہارِ زندگی کا لطیف جوہر.........؟

دوشیزہ کا نفسِ عنبریں!

مسرّت کے مظاہر..........؟

بچّوں کی آنکھیں!

اطمینانِ نفس..........؟

موت کے آغوش میں!

کائنات میں میرا حصّہ!
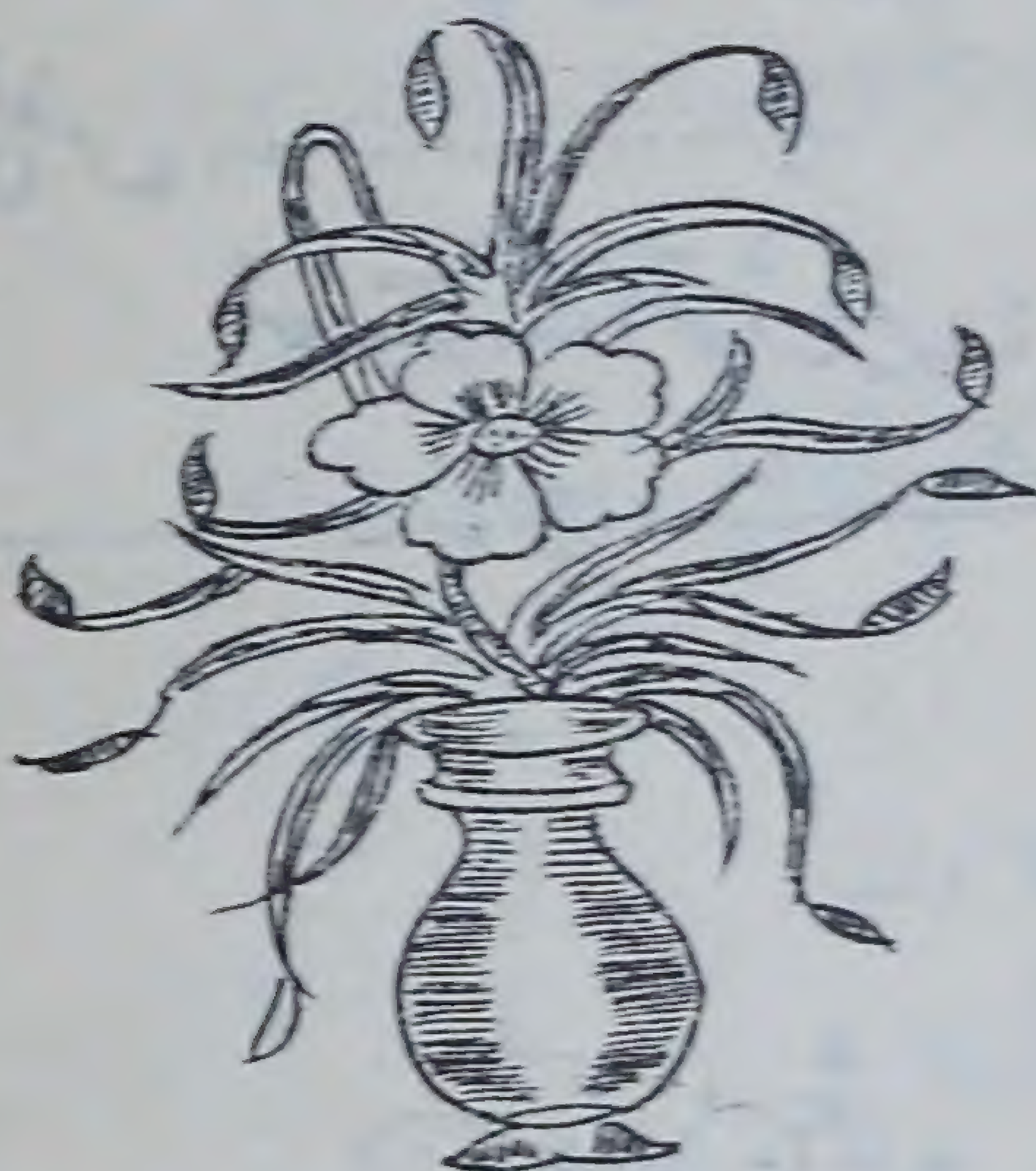
دشت و چمن کو بہار کی رنگ و بُو........مبارک!

اپنے بازوؤں کی قوت پر عقاب و مرغ کو ناز........مبارک!

ہرن کو اپنی شوخیاں........مبارک!

قمری کو نوا سنجی........مبارک!

فاختہ کو رنگینیٔ پر........مبارک!

مگر میرے لئے میرے آقا — محبّت کی سرشاریاں........مبارک!

غواصِ بحر کے لئے دُرہائے یتیم........مبارک!

عروسِ نو کے لئے اپنے شوہر کا مطالعہ رُخ........مبارک!

تصوّر پسند کے لئے جوانی کے خواب ہائے شیریں کی یاد......

مبارک !

مگر میرے لئے میرے آقا جوشِ حق پرستی...... مُبارک !

مصلحوں ، رہنماؤں اور "مذہب پیشہ" لوگوں کو اپنے حصولِ مقصد

کی خوشی........ مُبارک !

بادشاہوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو کامرانیاں.... ....

مبارک !

پسماندگان کو سکونِ ابدی اور قومی لوگوں کو نت نئی اُمیدیں

........مُبارک !

مگر میرے لئے تو آقا —— نغمہ کی سرمستیاں......

مُبارک !

بازوئے شکستہ!

(انتخاب)

محبت، موت اور قسمت کے نغمے

۱۹۱۵ ۔ ۱۹۱۶

۱- بازوئے شکستہ!

(زندگی اور موت کی نظمیں)

(یادگاریں)

بازوئے شکستہ!

"تم جیسی بلبل کا بازو شکستہ کیوں ہو؟"

(جی ، کے ، گوکھلے)

سوال

منوّر صبح طلوع ہو چکی ہے........ اور رات کے غمگین لمحے گذر گئے........ بالآخر وہ اپنی نیندّ سے........ عمرِ ابدی کی نیندّ سے .... بیدار ہو چکی ہے!

"گلِ مسرت" کی پنکھڑیاں........ شیریں خواب گراں ہیں ڈوبی ہوئی پتیاں........ مسکرا کر "نسیمِ امیّد" کے گرم بوسوں

سے گھبرا کر کھل رہی ہیں .... !

جلوۂ صبح کی طرف دلِ دیوانہ وار بڑھ کر جلابِ نُور کر رہا ہے

.... آہ ! .... صبحِ اُمیّد کی دلنواز روشنیاں .... !

زندگی اپنی "بہار" کی آمد پر خوشیاں منا رہی ہے اس ہنگامۂ

طرب زا میں اے بلبلِ خوش نوا ! تیرا بازو شکستہ کیوں ہے ؟

جواب

کیا یہ بہار جو دنیا میں تازہ رُوح پھُونک رہی ہے میرے

قلبِ محزوں کے لئے بھی کوئی پیامِ اُمیّد لائی ہے ؟۔

اگر نہیں تو .... ؟

"میں شکستہ پر کیوں نہ ہوں ؟" ! !

قسمت کا اندھا تیر میرے نازک گلے میں چُبھ گیا ہے ....

.... میرے نغمے اب اس لئے سرد پڑ گئے ہیں .... یہ

بہار بھی اب گرمی نہیں پیدا کر سکتی .... !

"پھر میرا بازو شکستہ کیوں نہ ہو"؟ !!!
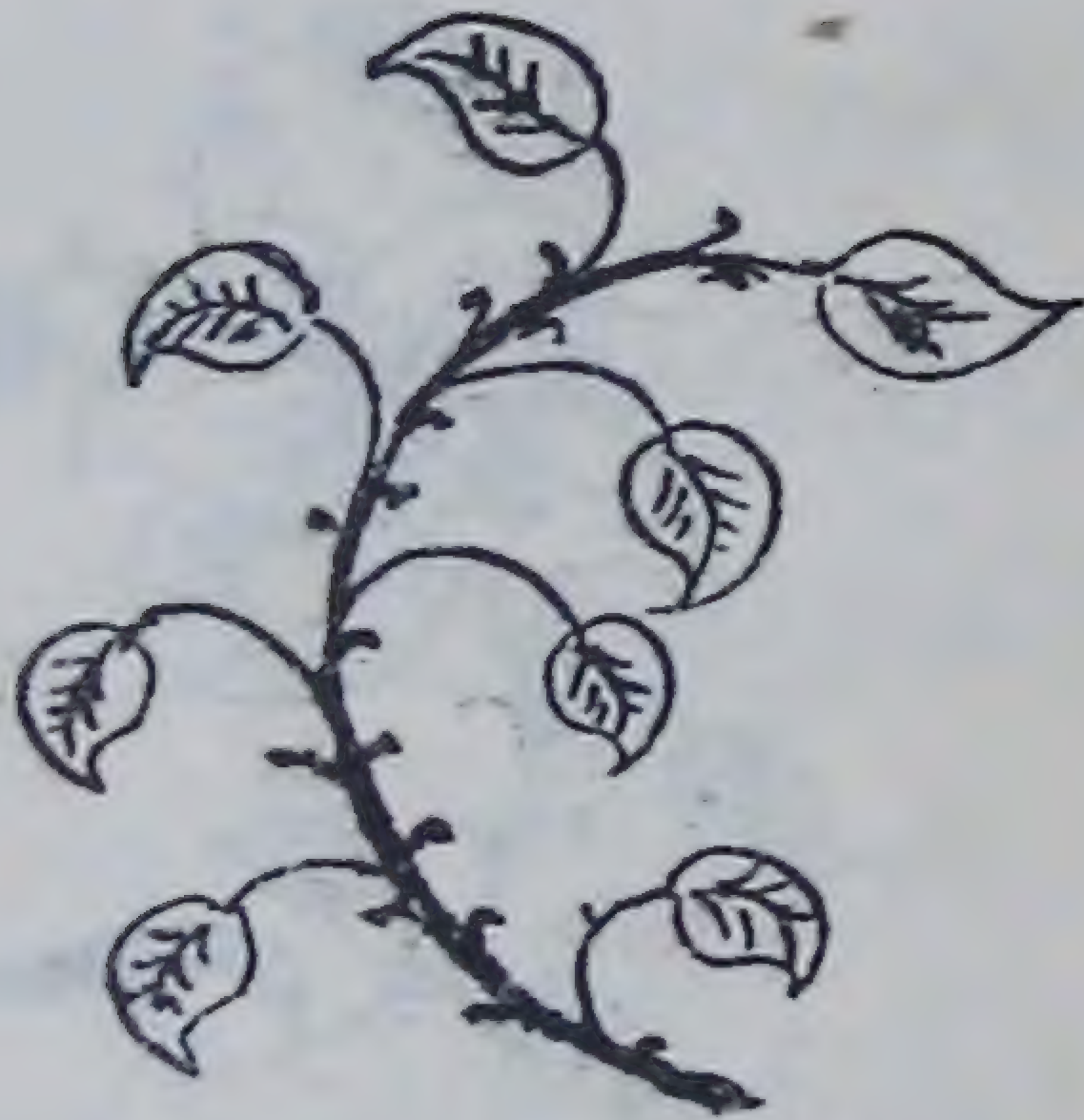
محبّت کا مندر!

پجاری جاگو! جاگو! محبت کے مندر میں آؤ! پریم کی دیوی کی تسبیح و توصیف کرو! مورتی سجانے کو نوزائیدہ اوراقِ شجر، انار کی کلیاں، نرس کی ٹہنی اور چمکدار گیہوں کی بالیں لاؤ!

یاتری مہنت جی! پریم دیوی کی توصیف میں میرا نغمۂ شکستہ حاضر ہے!

پجاری دیکھو! لوگو، قربانی کا وقت قریب آگیا ہے۔ پہاڑ کی فاختاؤں اور وحشی ہرنوں کی قربانیوں سے پریم دیوی کی روشن قربانگاہ پر ایک انبار لگا دو!

یاتری
پجاری جی! میرے پاس نذر کے لئے کیا ہے؟!
ہاں پریم دیوی کی خون کی پیاس بجھانے کو یہ زخمی
دِل حاضر ہے!

پجاری
لو! بس اب محبت کی دیوی پر قربانی چڑھانے کا مقدس
لمحہ آگیا!
مندر کو خوشبودار پھولوں کی ڈالیوں سے معطر کر دو!
روغنی چراغوں کی مقدس روشنی اور بخود کی پُر تاثیر
لَو قربانگاہ پر روشن کرو!

یاتری
مہاراج! میرے پاس کیا شے ہے جو پریم دیوی
کی قربانگاہ پر روشن کروں!
ہاں .... اس مضمحل روح کا پیشکش قربان
ہے!

لکشمی — "مولودِ گل" !

لکشمی دیوی، ہندو اصنامیات میں دولت و خوشحالی کی دیوی ہے روایت ہے کہ انکی پیدائش کنول کے پھول میں سے ہوئی تھی۔ اس توجیہہ کی تعبیر سے انہیں "مولودِ گل" کہا جاتا ہے۔ اور غالباً درست ہے۔ یہ نظم شاعرہ نے ۱۹۱۵ء میں لکشمی پوجا، کے دن تحریر کی تھی،

لکشمی دیوی .... ! آپ نے کنوّل میں سے اس طرح جنم لیا جیسے
سمندر میں سے موتی نکلا ! آپ کی خوبصورتی طلوعِ
صبح کے جلووں کو ماند کرتی ہے !

دیوی جی .... ! اے "مولودِ گل" ! - ہماری پُر خلوص پُر جوش

دُعا قبول ہو !! .... ناچیز بندے !

اے "مولودِ گل" .... ! اپنی شیریں آنکھوں، ملائم انگلیوں اور

پیروں کی چاپ سے ہمارے گھروں کو رونق بخشو !

اپنی برکتیں ہم پر برسا دو !

"جاگو جی جاگو ! دیوی جی جاگو !"

ہمارے بچّوں کے پنگھوروں اور مویشیوں کے گلّوں پر اپنی دیا کرنا !

ہمارے چولہوں کی آگ اور ہمارے اناجوں کی کوٹھیاں بھرپور رکھنا !

جنگ و امن کے زمانہ میں ہماری مدد و حفاظت کرنا !

"جاگو جی جاگو ! دیوی جی جاگو !"

اپنے پیارے وطن کے لئے ہماری زندگیاں حاضر ہیں - اس پر بھی کرم

کرنا اور اپنے التفات سے اسے خوشحال و کامران رکھنا۔ اسکے وقار کی، اسکی عزت کی بھی حفاظت کرنا۔

"جاگو، جی جاگو! دیوی جی، جاگو!"

"فتحمند!"

فتحمند سپہ سالار کے حضور میں ایک دوشیزہ کی پیشکش!

(۱)

فتح مند کے اعزاز میں لوگوں نے شہنائیاں بجائیں۔
پکھراج کی منقش قابوں میں جواہرات بھر کر پیش کیں۔
عنبر و نافۂ تاتار اور عطریات کے انبار لگادیئے۔
نیلوفر کے گجرے اس پر نثار کئے۔
مگر میرے پاس کیا تھا جو اس کی نذر کرتی؟.......آہ! میری
تہی دستی!

ہاں میں نے اپنا منہ اس کے برہنہ پیروں پہ جھکا دیا!

(۲)

شاہی کارگاہوں کی بنی ہوئی حریر و دیبہ کی مروارید ی زربفتی پوشاکیں اسکے حضور میں پیش کیں۔ زر و جواہر سے مرصع پا انداز بچھائے مگر میرے پاس کیا تھا جو پیش کرتی؟ آہ!...... میری تنگدامنی!

میں نے اپنے نحیف ہاتھ فرشِ راہ کر دیئے!

(۳)

لوگوں نے اسکے دربار میں بیش قیمت و لاثانی تحائف و نوادرات کے انبار لگا دیئے۔

سامانِ خورد و نوش اور مصالحوں کے تودے اسکے سامنے ڈھیر کر دیئے

زریں روغنوں اور لالہ رنگ شرابوں کے قرابے بھر بھر کر اُس کے سامنے رکھ دیئے۔

اُس کے شاہی اصطبل میں گھوڑوں اور اونٹوں کی بہترین نسلیں جمع کر دیں..............

"مگر میرے پاس کیا تھا جو حاضر کرتی! آہ! میری فرومایگی!"

"خیر!...... میں نے نذرِ جان ہی پیش کی......... ہاں ساری زندگی ہی اسکے قدموں پر رکھ دی!!!"

شاہی دہلی

(چند آنسو!)

اے دہلی!

عہدِ قدیم کی پُرصولت یادگاریں اب تک تیرے آغوش کی زینت ہیں۔

انکی شوکت و جبروت کے شاہانہ نظارے ابھی یاد سے محو نہیں ہوئے ہیں۔ ایک اُجڑے ہوئے دیار اور برباد قوم کی آہیں ابھی تک تیرے کھنڈروں میں گونج رہی ہیں...... عبرت!

اِن محوِ خواب بادشاہوں کی قبروں پر، جنہیں ہم نے بُھلا دیا ہے

اور جنہوں نے تیرے آغوش میں پہنچکر زندگی کا سکونِ ابدی حاصل کیا تھا)......... جب تو چند سرد آنسو اپنے زرد چہرہ پر ڈھلکا دیتی ہے اسوقت بھی ان کھنڈروں میں ایک بھیانک اور غمناک قہقہہ کی آواز گونجتی ہے۔ مگر ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں۔ عبرت!

سلطنتیں اور بادشاہ بدلتے رہے۔

ایامِ زرّیں کی حکایت ختم ہو گئی۔

مگر تو اب تک ایک ابدی سکوت میں کھڑی آسمان کو تاک رہی ہے!

اے ہماری تاریخ کو قابلِ فخر شئے بنانے والی محسنہ! دنیا بدل گئی مگر تو اپنی جگہ جامد ہے......... جس کے در و دیوار میں ازمنۂ قدیم کی رفعت و عظمت کے اسرار و رموز پوشیدہ ہیں.........!

تو ان مٹی ہوئی تُربتوں کی مجاورہ ہے! تجھ پر موت کا بھی افسون کارگر نہیں ہو سکتا!........اے شاہی دہلی!

یا محبوب!

یہ ایک مرثیہ ہے جو شاعرہ نے بتاریخ ۲۹ راگست ۱۹۱۱ء کو ہزاگزالٹیڈ ہائینس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام حیدرآباد کی وفات حسرت آیات کے موقع پر لکھا تھا۔ "یا محبوب" کے الفاظ پرچم شاہی پر لکھے ہوتے تھے۔ شاعرہ کو اپنے بادشاہ سے جیسی عقیدت تھی اس کا اندازہ اس مرثیہ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے جو خلوصِ دل اور جذبات حقیقی کا آئینہ دار ہے

کیا حیدرآباد کی یہ وہی گلیاں ہیں جن سے میں پہلے مانوس تھی؟ کل تک میں ان سے واقف تھی......... اب معلوم ہوتا ہے قرن ہا قرن گزر گئے! آہ!

وہ افواج کہاں ہیں جو تیرے محل کے دروازہ پر محبّت کے جاتریوں کی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتی تھیں .... کہاں ہیں وہ خوش آئیند نقارے جو ہوا میں گونج پیدا کرتے رہتے تھے ؟

کہاں ہیں وہ زرق بُرق نمائشیں جو محل کے چپّے چپّے پر نظر آتی تھیں ؟ اور کہاں ہیں .... میرے محبوب ! وہ خوش آواز گویّے جو سلطنت کو اپنے شورِ موسیقی سے سر پر اٹھائے رکھتے تھے ....

ہاں ! جب تم بادشاہ تھے ! میرے محبُوب !

آہ ! کہاں گئے وہ دست ہائے کرم جو ہارُون رشید کی شوکت وصولت کے ساتھ ہر حاجتمند کی ضرورتیں پُوری کیا کرتے تھے !

آہ ! کہاں گیا وہ کریم النفس انسان جو حاتمؔ طائی کی فراخدلی کے ساتھ ہر شخص کی رنج و مصیبت دیکھ کر بے چین ہو جاتا تھا ؟ !

وہ نمونۂ بغداد .... وہ شان و شوکت .... وہ امارت

وصولت کے ایام زرین کہاں چلے گئے ...... آہ! پر لگا کر اُڑ گئے؟ یا ہوا میں گم ہو گئے؟ .... وہ "مرغِ امارت" کہاں گیا جو...... ...... بادشاہت کے زمانہ میں میرے محبوب! تیری سلطنت میں محوِ ترنم رہتا تھا!

آہ! .... میرے بادشاہ! .... تیری سلطنت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے .... میں ہی اجنبی بن رہی ہوں، میری روح تیرے گل پوش و وقفِ تعطر تابوت کو دیکھ کر اسقدر وارفتہ ہو گئی ہے کہ مجھے کائنات کی ہر چیز غیر مانوس معلوم ہو رہی ہے!

میرے محبوب! میں تمہارے زمانۂ بادشاہت کی جملہ آسائشیں بھول گئی، میرے خواب ہائے شیریں منتشر ہو گئے۔

زندگی کی بہار اور بہار کی دلآویزیاں اور زندگی کی رونق اب میرے لئے بالکل بے کیف ہیں!

میرا دل سرد ہو گیا ہے !........... کیونکہ ماضی کی جملہ دلآویزیاں جو کبھی آماجگاہِ قلب تھیں اب مُبہم نقوش ہو گئی ہیں........ میرے محبُوب !!!

اسلامی دعا!

اے رحمان! اے رحیم! ہم تیری تسبیح و تحمید کرتے ہیں ...... ہمارے ناچیز ہدیئے قبول کر!

اے "وقت"، "قسمت"، اور "زندگی" کے مالک!
ہوا اور سمندر کے آقا!

"یَا حَمِیْدُ"! "یَا حَفِیْظُ"!

تو ہمارے راستہ کی "روشنی" ہے! تو رحیم ہے! غفار ہے!
تیرا نام اس ستارے سے لیکر اس ستارہ تک روشن ہے!

"یَا غَنِیُّ"! "یَا غَفَّارُ"!

تو ہماری منزلِ مقصود ہے جس کی طرف ہم بڑھتے رہتے ہیں۔

تو ہمارا "سکوت" و "نغمہ" ہے

سورج کی کرن اور اناج کی زندگی بس تو ہی ہے!

"یَا وَھَّابُ"! "یَا وَحِیْدُ"!

اے وہ کہ جو ہماری کمزوریوں کو لمحہ بہ لمحہ قوّتوں میں تبدیل کرتا رہتا ہے!

جو ہماری غلامی کو آزادی بناتا رہتا ہے!

"یَا قَدِیْرُ"! "یَا قَوِیُ"!

ہم تیرے ہی نُور کے پرتو ہیں!

ہم تیری ہی قوّت کے مظہر ہیں!

ہم تیرے ہی خواب کی تعبیر ہیں!

ہم تیرے نائب ہیں!

"یَا رَحْمَانُ!" "یَا رَحِیْمُ!"

عیدالضحیٰ ۱۹۱۵ء

عربی خط کے الفاظ........جیسا کہ معلوم ہے........خدائے تعالیٰ کے ۹۹ ویں خوب صورت نام ہیں جنہیں "اسم ذات" کہتے ہیں اور ہر خوش عقیدہ مسلمان کے وردِ زبان ہوتے ہیں۔

سِتارۂ صبح سے خطاب!

(گوشۂ چمن)

باغ میں خاموشی ہے اور ڈالیوں میں نسیمِ صبحگاہی سرسرا رہی ہے

سرس کے پھول جھڑ رہے ہیں۔

شمیمِ گُل نوزائیدہ صبح میں جذب ہو رہی ہے!

ایک گوشۂ چمن میں خاموش و مضطرب لیٹی ہوں.......

.... اعضا میں رات کی بےچینی اور نیم خوابی کا کسل ہے!

سر پر ستارے جھلملا رہے ہیں۔

اور میں انکی سبحہ شماری کر رہی ہوں ....!

ہوا چلی اور اس نے چمپا کی ڈالیاں ہلا دیں ....!

چند نازک پھولوں کی پنکھڑیاں میرے سینہ پر ملول ہو گئیں ....

.... ! آہ !

آہ ! میری اس تنہا خوابگاہ پر انکی عطر پاشی ! وہ جوشِ گل !!

دُور .... بہت دُور .... آسمان پر بہت پرے۔

آفتاب کی پہلی کرنوں کے چمکنے سے پہلے ....

.... جب وہ اپنی شہنائی بجا کر ان ننھی ننھی مخلوقوں (ستاروں) کو فریفتہ کر لیتا ہے ....

انہیں اپنے حُسنِ زرّین کی تابش سے مضمحل کر دیتا ہے۔ اور یہ پُر شوکت چراغ ٹمٹمانے لگتے ہیں .... مدھم ہو جاتے ہیں .... سوائے اپنی مشرقی فرودگاہ کے جہاں انکی تابناکی

پادشاہ پُرجلال کے طلوع سے پہلے ختم نہیں ہوتی !

اے ستارۂ صبح !......جس کا نور بے مثل...... جس کی ضیا غیر فانی اور جس کا حُسن مغرور ہے !

آہ ! اے ستارۂ امید ! جس کا نور ناقابلِ دسترس ہے !

......اے ستارۂ صبح !

سلطنت گیتی پر پُر صولت و باجبروت پادشاہ کے مظہر !

......جس کی شیریں آواز سُننے کے لئے مضطرب رہتی ہوں......

تدریسِ دل اور راحتِ جان کے لئے......!!!

اے تابندہ و درخشندہ آتش ! ستارۂ صبح ! جو پادشاہ کی ایک نگاہِ خشمگین سے زرد رو ہو جاتا ہے......... تیرا نور سیاہ پڑ جاتا ہے......میرا اسلامِ شوق قبول ہو !

اگر پُر شوکت جلوے یونہی مضمحل ہوتے رہتے ہیں تو مجھے کیا؟! تو بھی اپنی قربانگاہ پر ڈھلک کر ختم ہو جاتا ہے!

............بے رنگ سپیدی صبح تیری تُربت ہے!

میں تو اس "مخرج نور" کی پرستار ہوں جس سے تم سب کسب ضیاء کرتے ہو!............ آہ! تیرا انجام!

اپنے محبوب .... اِس "نورِ اعظم" کی تزئین کے لیے میں تیرے تمام جلوے اس پر روزانہ قربان کرتی رہتی ہوں!!!

ناقابلِ شکست!

اے بختِ ناسازگار تو نے "سنگ ہائے تکالیف" کے بیچ میں میرے "تخمِ زندگی" کو بیں ڈالا ہے مگر یاد رکھ! میرے "آنسو" اس "آردِ زندگی" کو گوندھیں گے اور "نانِ اُمید" بنائیں گے۔ ان لاکھوں دلوں کی تالیفِ قلب اور تجدیدِ حیات کے لئے جن کے لئے اس وسیع زمین پر سوائے "نباتاتِ غم" کی تلخ پیداوار کے اور کچھ نہیں اُگتا!

اے بختِ خفتہ! میرے "غنچۂ حیات" کو غم و الم کی شمعِ فروزاں پر تو نے جلا کر راکھ کر دیا ہے!........ مگر آہ! تو ناداں ہے!........ دیکھ! میرا غنچۂ حیات شجرِ زندگی کی شاخوں پر پھر

پیدا ہو گیا ہے!......... اور جن کے لئے اس وسیع زمین پر بدنصیبی
کے سیاہ و تلخ پھولوں کے سوا اور کچھ نہیں پیدا ہوتا یہ غنچۂ زندگی
انکی تالیفِ قلب کرے گا!!!

"بیدار! بیدار!"

(یہ نظم شاعرہ نے انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس ۱۹۱۵ء منعقدہ بمبئی میں پڑھی تھی جسے بہت پسند کیا گیا اور بعد میں مسٹر محمد علی جناح کے نام سے منسوب ہو کر شائع کی گئی)

بیدار ہو! اے مادرِ ہند، بیدار ہو! ....
ہم تیری اولاد ہیں، ہماری التجائیں قبول کر .... بیدار ہو! مادرِ ہند بیدار ہو!۔
ہم تیرے نام کو روشن کرتے ہیں، تیری خدمت بجا لاتے ہیں۔
رات تاریک ہے اور کل کے خواب گراں ہیں۔

تو سوگ میں کیوں سوتی پڑی ہے ؟

اب وقتِ بیداری ہے ، مادرِ ہند ! جاگ !

جاگ ! اور ہماری آرزوؤں کو مرہونِ تکمیل کر دے...... ہمارے

ہاتھوں کو گلہائے مراد سے بھر دے !

ہندو : مادرِ ہند ! ہمارے "گلہائے پرستش" نے تجھے صدیوں سنوارا ہے !

پارسی : مادرِ ہند ! ہمارا "شعلۂ امید" تجھے اپنی قدسی حرارت میں ہمیشہ ملفوف رکھے گا !

مسلمان : مادرِ ہند ! ہماری "شمشیرِ محبت" ہمیشہ تیری حفاظت میں لگی رہے گی !

عیسائی : مادرِ ہند ! ہم تیری توصیف میں "نغماتِ ایمانی" بلند رکھیں گے !

جملہ مذاہب: مادرِ ہند! کیا ہماری خدمات تجھے مَس نہیں کریں گی؟

مادرِ ہند! بیدار ہو!! اے ملکہ! اے دیوی!
وقت بیداری ہے!.......... ہماری طرف
دیکھ.......... ہم تیرے قدموں میں جُھکے ہوئے
ہیں!
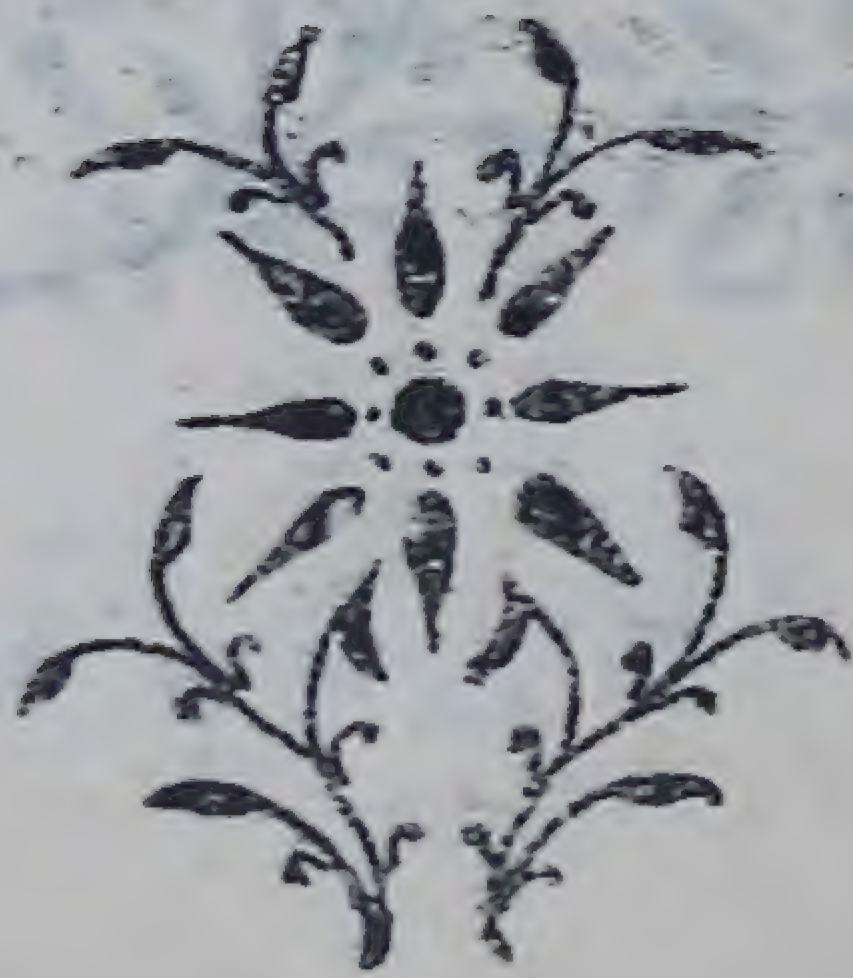
۲۔ نغماتِ بہار

"گھاس کے سبز قطعہ پر خندہ گل چمک رہا ہے!"

"شیلے"

بہار کی آمد!

بہارِ رنگیں! ایک وقت تھا جب میں نقابِ زرّین ڈال کر! چمپا کے گجروں میں مستور اور پازیب سیمیں کی جھنکار کے ساتھ تیری پیش قدمی کے لئے بڑھا کرتی تھی!.......... مگر وہ زمانہ اب گذر گیا!......... آہ!

پھولوں کی روش پر اب اور گامزن ہوں گی! اپنی صبیح و منوّر پیشانیوں کی تزئین کے لئے سبز پتّیاں توڑیں گی.........
لچکدار ڈالیوں میں جھولینگی.......... جھولے ڈالینگی اور گائینگی!
.... ایک نغمۂ بہار.......... !

گل شب بُو اور گیندے کے غنچے چٹخنے شروع ہو جائیں گے

.... آمدِ بہار ہے ! .... "بہار پر بہار ہے "! !

راہ میں اگر میں دیوار کے زیرِ سایہ کھڑی رہ جاؤں اور تیرے استقبال کو آگے نہ بڑھوں ....

تو یہ نہ سمجھ .... اے بہارِ نو ! کہ میری محبت سرد پڑ گئی ہے یا اس میں خلوص نہیں ہے یا میں تیرے پُرفسوں جشن و شادمانی سے کوئی مسرّت حاصل نہیں کرتی .... نہیں، اے بہارِ رنگیں ! میرا دل تیرے لئے روتا ہے !

روتا ہے میرا دل ! .... اے شیریں ! .... اور اُداس رہتا ہے ! .... اس میں اب "واہ !" نہیں ہے صرف "آہ !" ہے ! .... درد کی ایک خلش .... ایک سوزشِ بمیدہ !

میں ملول ہوں اور بہار! اب مجھ میں تو تحریک پیدا نہیں کر سکتی! .... میرا شباب ختم ہو گیا!

جب تو آتی تھی میں تیرے لئے ایک حسین نغمہ گاتی تھی......

...... آہ! وہ گیت!

.... افسوس جسے میں بھول گئی ....

وہی کیا ایک دنیا کو بھلا دیا! .... بھلا دیا اور اب کچھ یاد نہیں!

وہ نغمۂ رنگین جو کبھی میرے لبوں پر کھیلتا رہتا تھا ...... آہ!

اسے بھول گئی!

میری رفیقہ! اے بہارِ تو! اب مجھے معاف کر اور میری یاد بھلا دے!

(بموقعہ بسنت پنچمی ۱۹۱۶ء)

"فردوسِ تصوّر!"

منقش و زرکار ایوانوں اور حریر و دیبا کے ملائم فرشوں سے میں بیزار ہو گئی ہوں۔

دل جنگل میں اُڑائے لئے جاتا ہے۔ اے کاش میں وہاں ہوتی! جہاں تند ہوا میں گلِ مہر کی قرمزی چھتریاں اُڑتی پھرتی ہیں!

دنیا کے افکار و آلام کی کشمکش، بیکار شہرت نغموں کے تھکا دینے والے چکر اور بے لطف تہواروں سے میں اب بالکل بیزار ہو چکی ہوں۔ اب دل بیتاب ہے اس جنگل میں اُڑ جانے کے لئے جس میں

لالۂ خودرو نے آگ سی لگا رکھی ہو! .... آہ! وہ جنگل!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میرے محبوب! آ! ا! اُس جنگل میں آ! جہاں پھولوں کے کنج اور ڈالیوں پہ کوئلیں بیٹھی کوک رہی ہوں .... آجا! .... اور چھوڑ دے دنیا کے ہنگاموں کو، افکار کو، دنیا کے بے معنی عیش و طرب کو۔ یہاں کی بے لطف صحبتوں کو، دوستوں کی بے جا تعریفوں کو، !

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میرے محبوب! آ! ا! دنیا کے تمام افکار کو دل سے محو کر دیں۔ مولسری، نیم اور اِملی کے اُلجھے ہوئے جھنڈوں میں لیٹے رہیں اور "فردوسِ تصوّر" میں گم ہو جائیں!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

آؤ چلیں .... وہاں چلیں!
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اور یاسمین کی پنکھڑیاں بالوں میں پرو لیں اور پھر کندہ کار شہنائیوں

پر ایک نغمۂ جمیل پیدا کریں ....

برگد کی جڑوں میں سوئے ہوئے راج ناگ بھی جاگ اٹھیں اور جنبش

کریں ہمارے دلکش ترانوں پر !

~~~~~~

آ ! جنگل میں چلیں اور شام کو ندی کے کنارے پر ٹہلیں ....

ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر۔ اور نہائیں ان کنول سے بھرے ہوئے تالابوں

میں جہاں سنہری اژدہے پانی پینے آتے ہیں !

~~~~~~

آ ! میرے محبوب ! اس جنگل میں چلیں جو پھولوں سے پٹا پڑا

ہے۔ جس کی جلوہ زار تنہائیوں میں خفیف آوازوں کا ایک پُر اسرار

سکوت طاری رہتا ہے !

~~~~~~
~~~~~~

آ! ہم اس جنگل میں جا بسیں۔
رادھا اور کرشنا کی لاہوتی محبت کی طرح ایک قدسی
سُرور میں بے خود ہو کر! ....
جلوہ ریز سپیدی صبح کے رفیق.......

اور

شب مشکیں کے ہمنشین بنکر! اے میرے محبوب!!
آ، بس اب اس دنیا کو چھوڑ دیں!!!

مَوسمِ گُلابْ!

مجبُوب ! یہ موسمِ بہار ہے ، ہر طرف گلاب ہے ، گلاب ہی گلاب ہے .... گلاب پر بہار ہے !

دشت و چمن لالہ زار ہے ، دیکھو ! غنچے کیسے کِھل رہے ہیں ! تُربتوں اور میناروں پر چھائے ہوئے ہیں .... ایک سیلِ آتشین کی طرح کائنات پر محیط ہو گئے ہیں۔

گلاب ، شہد کی مکھیّوں کو کیونکر اپنی طِلسمی خوشبو کے سُنہری دام میں پھنسا رہے ہیں۔

.... اور ہوا کو اپنی نزاکتیں اور آرائشیں کیونکر ودیعت کر رہے ہیں !

دیکھو! آبِ رواں میں گلاب کیسے اِتراتے ہوئے تیر رہے ہیں، گویا مرصّع کار جہازوں کا ایک بیڑہ ساحلِ سیمیں کیجانب ٹھُمک ٹھُمک کر بڑھ رہا ہے۔

گیاہِ دشت کے زمرّدین فرش پر چاند کی سیمیں کرنوں کے نیچے لالہ کے پھیلاؤ کو دیکھو! آہ! کیسا حسین منظر ہے!

جیسے کسی نوخیز پیکرِ جمال کی رنگین چادرِ عُروسی!

جب کائنات گُلپوش ہے .... مستوُرہے گلاب کے بے وزن تودوں میں، تو مجھے بھی ایک "تربتِ گُل" میں چھُپادو!

مجھے "شرابِ گل" میں غرق کردو۔

مجھے بھی گلابوں کی ایک چِتا پر رکھکر "آتشِ گل" میں جلادو!

........اور سرپہ محبّت کا "تاجِ گل" رکھدو!

۳۔ نغماتِ طاؤس!

"نغماتِ اِرَم گو دِلکش ہیں مگر تارِ دل میں اَلَم بھی پوشیدہ ہے!

(عمر خیام)

"اشکہائے سیمیں!"

زندگی نے مجھے جملہ سامان عیش و طرب مہیّا کئے۔
کیا کیا جلوہ زار میرے لئے پیدا نہیں کئے!؟
نفیس و نازک ہدایا میرے قدموں میں ڈالے۔
مگر میرے محبوب! میرے دلِ وحشی کی تسکین کسی سے نہ ہوئی
مگر تیرے غم کے چند اشک ہائے سیمیں سے!!!

زمانہ نے مجھے کیا کیا نہ دُکھ دیا؟!
مسرّت چھینی، صحت برباد کی۔ آزادی کا نشیمن اُجاڑا
مجھے برباد کر دیا......

مگر میرے دل وحشی کے لئے تیرے غم کے اشک

ہائے سیمیں سے زیادہ کوئی چیز مایۂ تسکین نہیں!!!

ایک تصوّر!

(ایک دِلنشین نظم)

تمہاری نرم و لگداز چٹکیوں میں ایک خوبصورت لالۂ صحرائی تھا...
...... جسے تم نے اپنے غمّاز لبوں سے مَس کر کے اسکی قرمزی پتّیاں نوچ
ڈالیں.......... آہ!

میرے محبُوب!.......... میرے زرّین خوابوں کے
محرّک..........

.... یہ تو میرا دِل تھا.......!

تمہارے مرمریں ہاتھوں میں ایک ساغرِ شراب تھا.........

جسے تم نے بہت آہستہ سے اپنے غمّاز لبوں تک اٹھایا...............

اُٹھایا.......... اور خاموشی کے ساتھ چند جُرعے پی کر اس خالی کوزے کو پھینک دیا۔

آہ !......... میرے محبُوب !......... اوہ ! میرے زرّین تصوّر کی رنگینی کے خالق !

.... یہ تو میری روح تھی !

انجام!

ایک دِن کا ذکر ہے

اپریل کا مہینہ تھا اور ایک بھونرا آسمان کیجانب تیزی سے اُڑ رہا تھا

وہ ایک گھنٹہ تک سورج کی زرّین کرنوں کے جال میں کھیلتا رہا۔

پھر ایک نازک و ملائم پھُول پر بیٹھ کر اسکی رُوحِ حیات چُوس

لی...... آہ! وہ مُرجھا گیا!...... غنچہ بھی ہونے نہ پایا تھا کہ

ملُول ہو گیا۔

مگر اے بے خبر بھُونرے! تجھے کیا پروا ہے ہ تجھے کیا خبر ہے، کہ

ایک اُٹھتی ہوئی کونپل تیرے لبوں کی ایک ناقابلِ تسکین تشنگی پر مضمحل ہو گئی؟!

ایک دن میرا حبیب آیا.........

لبوں پر ایک ہاتھی دانت کی مرقع شہنائی تھی.........

آنکھوں سے دعوتِ دل کے لئے پیہم تیر نکل رہے تھے.........

پیروں میں آلاتِ پرواز بھی لگے ہوئے تھے......... وہ میرا کیوپڈ تھا

مجھ سے زیرِ لب کہنے لگا "میں تھکا ہوا ہوں......... بالکل تھک

گیا ہوں......... مجھے اپنے حریری سینہ پر سر رکھ لینے دو، اور سو

جانے دو چند راحت آفرین لمحے اپنے گرم تنفّس کی شمیم بار فردوس

میں!"

طلوعِ صبح کے ساتھ ہی وہ بھی اُڑ گیا......... اُڑ گیا اور کوئی نشانی نہ

چھوڑی......... یادگار اس عشرتِ شب کی!......... مگر میں دیوانی ہوں

جو ملول ہوں......... کون پروا کرتا ہے اگر کسی عورت کا دل ٹوٹ جائے!

گُلِ نغمہ!

(اشوک کا پھول)

ہمارے ہندوستان میں ایک روایت مشہور ہے کہ اگر اشوک کی جڑ پر کسی خوبصورت دوشیزہ کا پیر پڑ جائے تو اسکی بند کلیاں پھول کر چٹخ جاتی ہیں اور اسکی شاخوں میں گلہائے نور لرزنے لگتے ہیں........

آہ! یہ سُرخ و زرّیں غنچے کبھی دوشیزہ کے بالوں میں آویزاں ہوتے ہیں۔

کبھی سیج پر پامال ہوتے ہیں

یا پھر "شاخِ عروسی" بنکر اسکے دستِ حنا مالیدہ میں نظر آتے ہیں؟

میرے محبوب! اگر تیرا مبارک قدم میرے سینہ کے رازوں کو ایک دفعہ بھی مَس کر دے تو میرے خواب آور سر کی تمام خفتہ سا مانیاں بیدار ہو جائیں گی

میرے تخم ہائے تصوّر ایک گُلِ نغمہ کی صورت اختیار کر لینگے۔

پھر یہ غنچۂ تصوّر اپنی ترنم ریز و شمیم بار پنکھڑیوں کے طلسم سے ہر راہ گیر کو گم کر دے گا!!!

سفینۂ آرزو!

اوراقِ گل کے جلوہ ریز طوفانِ باد، یا موتیوں کی نور پاش بارش

کی طرح نورانی لڑکیوں کے یاقوتی لب ....

اور نغمہ نوازوں کی مرصع کار شہنائیاں ....

میرے حُسن کے تعریفی ترانے گاتی رہتی ہیں

مگر میرے محبوب! تو مجھ سے دُور ہے .... یہ میرے

دِلوں کا غم غلط نہیں کر سکتے۔

نور و ضیا کی یہ طرب زا محفلیں میری راتوں کے سوگ میں کچھ

بھی ازالہ نہیں کر سکتیں ....

زندگی کے اس پُرجوش رقصِ رنگیں میں میرا دل اس ہی طرح ڈوبا رہتا

ہے جیسے پوشش گل کے نیچے ایک جسم بے جان!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میرے محبوب! دن کے غم اور رات کے سوگ کی سرحد سے پرے
...... بہت دُور .... میں نے ایک "تربتِ اشک" بنائی
ہے .... میں اس "حرمِ بے نور" کی مغموم مجاورہ ہوں ......
یہاں میرا دلِ محزوں ایک سکون و راحت میں ہے ....
پھر نیند کی موجوں پر یہ "سفینہ" بہہ نکلے گا، اور بہتا رہیگا "بحرِ خواب"
کی لہروں پر .... !
پھر آہستہ آہستہ تیرے سینہ کے ساحل سے جا لگیگا!!!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

۴۔ "محبّت کا مندر"

(ا) بابِ مسرّت!

(ب) سیلابِ اشک!

(ج) حرمِ عشق!

ہدیۂ دل!

میرے محبوب! اگر حسن میرے پاس ہوتا تو میں محبت کی قربانگاہ پر ایک نادرالوجود غنچہ کی طرح چڑھا دیتی!۔

میرے محبوب! اگر شباب ہی میرے پاس ہوتا تو میں اسے محبت کی کیف آور و نور پاش شراب میں ایک بیش قیمت موتی کی طرح ڈال دیتی!

میرے محبوب! اگر میں فضیلت کی حامل ہوتی تو شہرت و ناموری کے جہانتاب اعزازات کے انبار تجھ پر نثار کر دیتی گویا محبت کی قربانگاہ پر کافور و عنبر کا بخور جل رہا تھا!

مگر میرے پاس ان میں سے سوائے ایک ذی حیات شعلہ

عشق کے اور کچھ نہیں۔ جذباتِ عشق سے مملو ایک دِل ہے
.... یہ ایک حقیر سا دیا ہے جسکی شیریں تشنگی اور آرزو
انگیزی مجھے چین نہیں لینے دیتی .... یہ خود ستائی میں
کھنچتا ہے اور سرِ راہ محبّت کے سایہ کو چُوم کر اپنی تسکین
کرلیتا ہے !!!

"تیرا تحفہ!"

میرے لئے صندلی مہندی مت لاؤ!

میرے محبُوب! مجھے وہ خاکِ پا جمع کر لینے دے جسے تو نے شرفِ

خرام بخشا ہے وہ ذراتِ خاک میرے لئے زیرۂ گل سے زیادہ ہیں!

مجھے قند و شکر کے سرد و شیریں مرصّع پیالے درکار نہیں.....

..... تیرے ہاتھ سے مَس کئے ہوئے جامِ سفالی کا ایک قطرہ

میرے لئے "اولمپس" کی شرابِ الوہیت سے زیادہ ہے!

تیرے خوانِ کرم کے ریزے میرے لئے لذیذ ترین طعام ہیں۔

مجھے کنّول کے اس ہار کی ضرورت نہیں جس میں "شبنم در آغوش"

پھول گندھے ہوئے ہیں۔ اور جنہیں صبح کے چاند نے بیدار کیا ہے!

میرا وحشی سینہ تیرے نقوشِ پا سے ایک ایسی سرمدی مسرّت محسوس کرتا ہے .... ایک ایسی تسکین جو "خوابِ حیات" کی لذّتوں سے زیادہ ہے۔

میرے لئے سمندروں کی تہہ سے نادرالوجود موتی مت لاؤ! مجھے گوشہ ہائے عالم کے ناممکن الحصول جواہر درکار نہیں!

میرے محبوب! میرے لئے یہ سب سیم و زر ہیچ ہے ..... فرومایہ! تیرے ایّامِ رفتہ کا سوگ اور گرم گرم آنسوؤں کا راز میرے لئے تیرا بہترین تحفہ ہے!!!

جوشِ فطرت!

بہار آئی..........!

فطرت جوش میں ہے! مغربی کوہسار گل و سبزہ سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ جنوبی وادیاں آتشیں کلیوں کی حرارت سے جاگ اٹھی ہیں۔

میں نے نواے گِل آرزو! تجھے چُن لیا ہے اور تیری آتشیں پنکھڑیوں کو لبوں سے مس دیا ہے!

بہار آئی........!

فطرت جوش پر ہے!

بہار نے نسیم کو وقفِ تعطر کر رکھا ہے۔ تاکہ شہد کی مکھیاں اپنے قرمزی بازوؤں کو تولتی ہوئی اپنی سحر انداز موت کی طرف بڑھ رہی ہیں............ مگر میری روح ایک اور ہی دیوانگی سے مجبور ہے اور اپنے بد انجام کی طرف ایک تیز و شیریں پرواز کر رہی ہے!

میں نے تمہارے نفسِ معطر کے شیریں آبحیات کا ایک جرعہ پیا ہوا ہے!

میری سرشاری ابدی ہے! قائم و دلگیر!

بہار آئی..........

فطرت جوش پہ ہے!

چشموں کی مترنم روانی اور نزولِ باران نے فطرت کی خوابیدہ موسیقی کو جگا دیا ہے!

جوشِ نسیم نے طائروں کی طرح انسان میں بھی جوشِ نغمہ پیدا

کر دیا ہے !

مگر میں ایک وحشیانہ موسیقی سے لرز اُٹھا جب تمہارے سیلاب خون کے دریا نے اُمنڈ کر میری زندگی کے بند کو توڑ ڈالا اور اس آرزومند دِل کو غرق کر دیا !!!

زبورِ عشق!

میرے محبوب! تجھے اپنے تابناک و درخشاں چہرہ کے لئے
آئینۂ مجلّا کی کیا ضرورت ہے؟
تیرے جمالِ رعنا کے آفتاب کے لئے میری آنکھیں حاضر
ہیں......... آہ! موجود ہیں انعکاسِ حسن کے لئے آرزو
کی سطحِ مصفّا!.........!!

ہاتھی دانت کی بانسریوں کے تعریفی گیتوں کی تجھے کیا حاجت ہے؟
......نام و شہرت و عزّت کی بھی تجھے کیا پروا ہے؟
......تیرے حسن کی رعنائیوں اور جمالِ رنگیں کی زیبائشوں کے

ترانے میں اپنی ہی آواز میں گاتی پھرونگی اور ساری کائنات کو اپنے ساحرانہ لحن سے مدہوش کردونگی!

شیرین! تیرے پائے سیمیں کے لئے حریر و دیبا کے نرم و نازک فرشوں اور رنگین و معطر تکیوں کی کیا حاجت ہے؟
میرا دل تیرے تھکے ہوئے پیروں کیلئے آرام دِہ غالیچہ اور بھٹکی ہوئی روح کیلئے مہمان نواز خیمہ ثابت ہوگا!
آ! میرے محبوب!..... اس میں سما جا! اے جمالِ بے نیانہ!

انقلابِ زندگی پہ متاسف نہ ہو!
غمِ آرزو کا فکر نہ کر!
خوفِ معصیت نہ کر!
دُعا کی حاجت اور عفوِ تقصیر کی درخواست کیوں کرتا ہے؟

........میرے محبوب! میری ساری زندگی میرا سراپائے حیات تیری تمام لغزشوں کا مکمل ازالہ کرے گا........

آہ! وہ ایک کفارہ ابدی! تیرے لئے اے میرے محبوب! تو ملول نہ ہو!
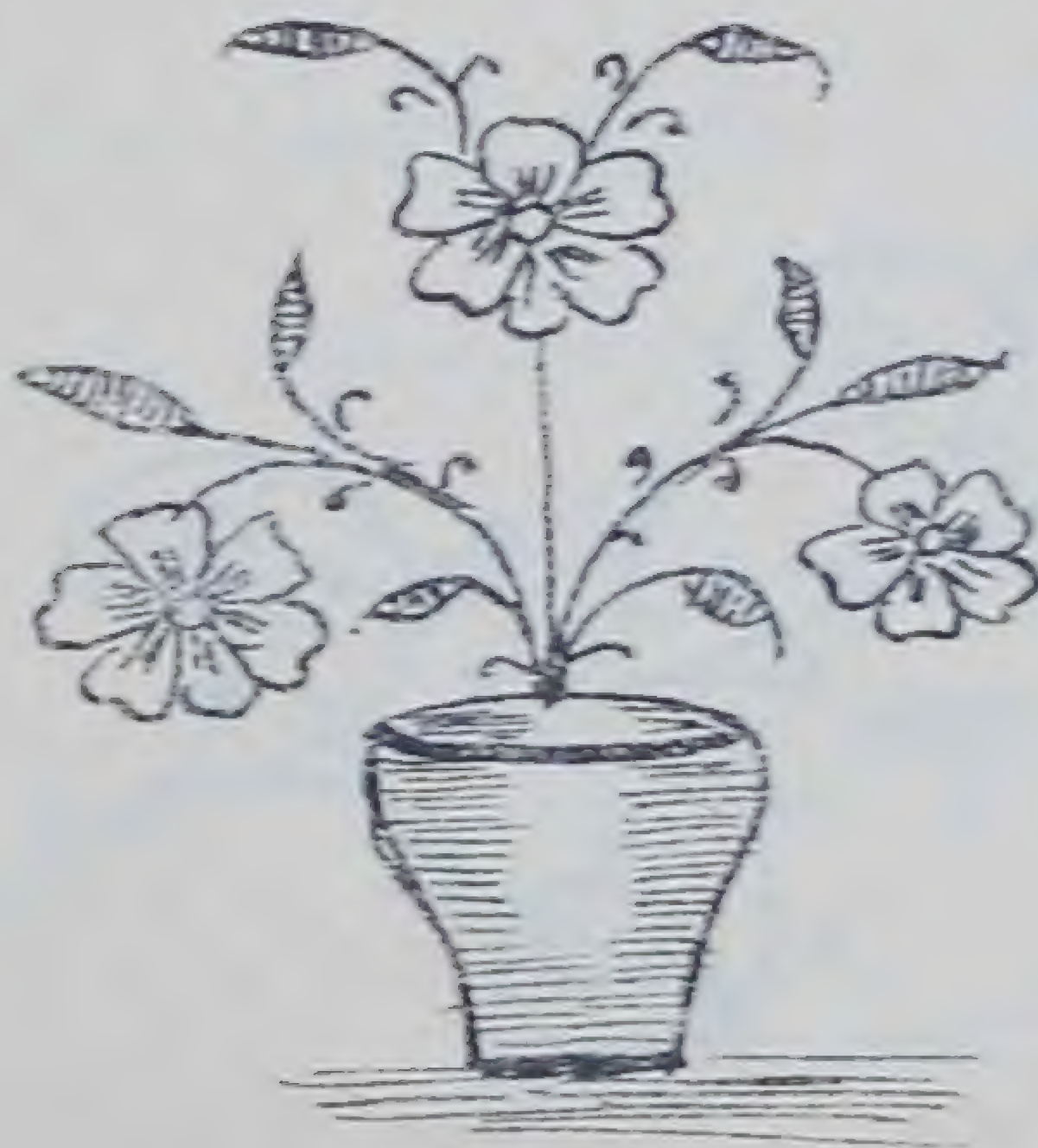
ہمہ تُواست!

(بصیرت و بصارت عشق)

میرے محبوب! تیری محبت میں میری آنکھوں کی بصارت
بہت محدود ہوگئی ہے .... مجھے کائنات میں صرف تو ہی نظر آتا ہے

ہر طرف تو ہی تو ہے ....

ابر آلود آسمان پر

گُل پوش زمین پر

غرض ہر طرف تیرے ہی چہرہ کے رنگ و جمال کا پرتو پڑ رہا ہے۔ حُسن و
شادابی کے لاتعداد مظاہر تیرے ہی رُخ زیبا کی نمائشیں

ہیں!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میرے محبوب! تیری محبّت میں میری آنکھوں کی بصارت بہت محدود ہو گئی ہے......... مجھے تو صرف تو نظر آتا ہے۔

میری مسحور نظروں میں تو ہی جلوۂ کائنات ہے.........!

.... اے تصوّرِ شیریں! تو ہی رازِ حیات ہے!

ستارۂ صبح کا نور بھی تو ہی ہے!

سمندر کا جوش و شور موسیقی بھی تجھے ہی کہتے ہیں۔

شمیمِ بہار میں بھی تیرا نفس معطّر ہے!

ثمرہائے شیریں میں تیرا ہی قندِ لب ہے!

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میرے محبوب! میری روح و بصارت کی فرومائیگی ہے کہ تیرے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ رنج و غم، امید و غرور اور زندگی کے لمحاتِ

مضطرب .... غرض مجھے کچھ نظر نہیں آتا ! .... مجھے
زندگانی کا سرچشمہ ہی نظر نہیں آتا جس سے روح کی تسکین اور تجدیدِ
حیات ہوتی ہے !

او شمشیرِ دل فگار ! .... اے تاجِ بے بہا ! میرے
رنج و مسرت کے منارہ !
تمام درد و آلام تیرے خمِ ابرو کے ساتھ گردش کرتے ہیں !
سب مسرتیں تیرے بوسہ پہ مرکوز ہیں !
تو میری روح ہے ! .... رازِ حیات ہے !
بلکہ سکراتِ موت کا قدسی اعجاز ہے !
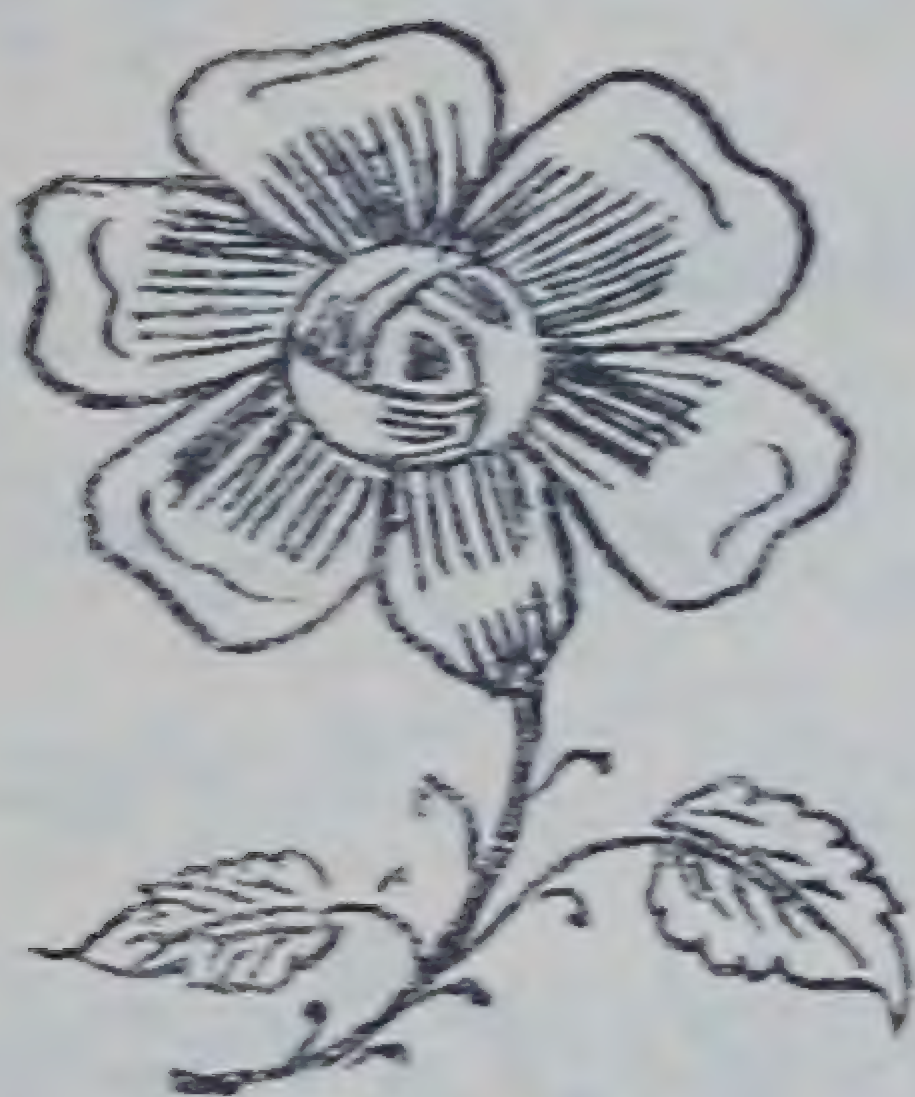
"اگر تُو مَر جائے!"

میرے محبُوب! اگر تو مر جائے تو مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا!

مجھے کچھ غم نہ ہوگا، میرے محبُوب!........

میں تیرے سینہ کے معطّر ہاروں میں سر رکھ کر ایک ایسی نیند میں

گم ہو جاؤں گا جسے شاید شورِ محشر بھی نہ اُچاٹ کر سکیگا!

کیونکہ زندگی کیا ہے؟.......... ایک "نقابِ

آتشیں" جو ہماری طالب روحوں کو ایک دوسرے سے الگ

رکھتی ہے!

زندگی کے دَوران میں، میرے محبُوب!

قسمت ایک آہنی دیوار کی طرح حایل ہوجاتی ہے جسے "سمندِ آرزو" عبور کرنے سے بالکل قاصر ہوتا ہے۔ "مرغِ امید" جس سے ٹکراتا ہے اور پھڑپھڑا کر محبت کے طوفانی سمندر میں گر پڑتا ہے!

میرے "قلبِ شیریں"! اگر تو مرجائے تو میں غم نہ کروں گی.......... کیونکہ ہمارے دل "شبِ موت" کی گہری تاریکی میں ایک پُرسکون وراحت زا خواب میں محو ہو جائیں گے.......... رنج و غم قصہ پارینہ ہجر و فراق بھی ایک تصور بے معنی ہو جائیں گے.......... آخرکار، میرے محبوب!

قاتل!

میرے محبوب!...... اگر طلوعِ صبح کی سُرخی کے وقت کوئی راہ گیر پُوچھے :-

"کیا تمہارا لباس شبنمِ صبح کے قطروں سے ٹپک رہا ہے؟
تمہارے چہرے پر سمندر کے جھاگ کی سی سپید افشاں کیسی ہے؟
کیا گیسوئے ریشمیں میں قطراتِ باراں پروئے ہوئے ہیں؟"

میرے محبوب! تم جواب دینا :-

"یہ وہ قطراتِ موت ہیں جوان غمگین آنکھوں سے ٹپکے تھے جنہیں میں نے کل رات شمعِ درد سے جلایا تھا!"

اگر شفقِ شام کی قرمزی ضو میں کوئی معترف پکار اُٹھے :۔

"اے جانے والے! تیرے کپڑوں پر یہ لالہ کی افشاں کہاں سے آئی ہے؟ کیا یہ کسی ورق قرمزی کے دھبّے ہیں یا رنگِ حنا ہے؟"

~~~~~~~~

میرے محبوب! اس کا جواب یوں دینا :۔

"یہ سُرخ و شوخ دھبّے اس دِل کی چھینٹیں ہیں جنہیں میں نے آج صبح اپنے سنانِ غم سے زخمی کیا تھا!!!"

~~~~~~~~

تلافیٔ محبّت!

میرے محبُوب! تونے جو چرکے دیئے تھے وہ ناقابلِ اندمال تھے!...... تیری ضربیں میرے لئے ناقابلِ برداشت تھیں۔

مگر تیرے پیارے ہاتھوں کی یہ آزمائشیں گلاب و لالہ کے تمام تحائف و ہدایا سے بڑھ کر تھیں جو میرے رفیق میرے خوش کرنے کو لائے!

میرے محبُوب! تیرا خندۂ سرد میری ضربات قلب کو روک دیتا ہے.......... تیرے الفاظ میرے لئے زہر ہلاہل ہوتے ہیں .... مگر تیرے لبوں کی میرے محبُوب! یہ نواہائے تلخ میرے

لئے شیریں لبوں کے نغموں اور چکورہ کی دلآویز موسیقی سے کہیں بڑھ کر ہیں!

میرے گلچیں! تو نے میرا دل توڑا........آہ وہ خوننابہ بار تھا!........اور پھینک دیا اسے پھر بددل ہو کر!

میرے محبوب! تیرے قدموں سے اس طرح پامال ہوجانا ہاتھی دانت کے زرنگار تخت پر بیٹھ کر ایک بے لطف و بے یار زندگی بسر کرنے سے کہیں بہتر ہے!

"سرِّ دلبراں" اور "حدیثِ دیگراں"

خوبصورت لڑکیاں اور خوبرو مرد میرے لئے چمکدار تحائف و

ہدایا لیکر آتے ہیں۔

نازک پھولوں کے ہلکے گجرے، خوبصورت تحفے اور تعریفی

نغمے مجھ پر نثار کرتے ہیں۔

میرے محبوب! .... اُنہیں کیا معلوم ہے کہ کئی سوگوار

دن گزرے ہیں مر چکا ہوں!!!

لوگ کیا جانیں کہ میری نازک و تصور آفرین روح تیرے

خرام بے محل سے اس طرح پامال ہو گئی ہے جیسے سبزہ بن پھل کچلا جائے

آہ! بھلا انہیں کیا معلوم ہے کہ تم نے اس مضطرب دل کو (جس میں تمہارا تصور رہا کرتا تھا) کتوں کے آگے حقارت سے ڈال دیا ہے؟

لوگ میرے لئے زعفرانی نقابیں اور صندل سیمین کے محلول لاتے ہیں۔

میرے سر دل کو عزت و نشان سے سرافراز کرنے کے لئے انتہائی نادرہ پیش کرتے ہیں...... مگر، اے محبوب! تیرے سوا اصل راز سے کون واقف ہے.......... آہ! کسے پتہ ہے کہ مجھے مرے ہوئے کئی سوگوار دن گزر گئے ہیں۔

محبّت کی طاقت!

میرے محبوب! کیا دنیا کا کوئی ایسا کام ہے جو میں تیرے لئے
نہ کر سکوں؟

اگر تیری چشم و ابرو کا اشارہ ہو جائے .... اگر تو چاہے
تو میرے ہاتھ میں ایک ناقابلِ یقین طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔

تیری جنبشِ لب سے مجھ میں پہاڑوں کو گھونگوں کی طرح کچل
دینے کی طاقت آسکتی ہے!۔

تیرے اشارہ پر میں اس خوبصورت چاند کو پھول کی طرح مسل
سکتا ہوں!۔

شفق اور تاریکی کی چادروں کو پھاڑ سکتا ہوں!۔

دریاؤں کو قطراتِ شبنم کی طرح خشک کر سکتا ہوں۔
اور چاند کی کرنوں کو پکڑ کر تیروں کی طرح توڑ سکتا ہوں۔
مغرور و گستاخ آنکھوں کی طرح ستاروں کو مسل سکتا ہوں۔

~~~~~~~~

اے میرے محبوب! کیا کوئی ایسا کام ہے جو میں تیرے لئے نہ کر سکوں؟

تیری قوّتِ ارادی میرے نحیف بازوؤں میں اتنی طاقت پیدا کر سکتی ہے کہ وحشی درندوں کو مرغانِ صحرا کی طرح مسخّر کر لوں!
...... اور تیز رفتار بجلی کو پکڑ کر تیرے خوبصورت سر کا تاج بنا دوں!"
...... مُردوں کے خاموش لبوں کو مجبورِ تکلّم کر دوں!

~~~~~~~~

رضائے دوست!

میرے محبوب! اگر تو چاہے تو میرا گوشت کتّوں کو دیدے!
میرے خون سے اپنے چمن کی آبیاری کر!
میرے دلکو جلا کر راکھ کر دے!
میرے تصوّرات مٹا کر خاک کر دے!
میں اُف نہ کروں گا!.......... میرے محبوب!
.... کیا میں تیرا نہیں ہوں جو بربادی سے ڈروں....؟
کیا تو میرا نہیں ہے جو تیرے لئے متذبذب ہوں؟!

میرے محبوب! اگر تو چاہے تو میری روح کو کھینچکر آگ میں

ڈال دے!

میری پاک محبت ایسی باتوں سے کیوں متزلزل ہو اور شکوہ کی ضرورت کیوں پیش آئے؟

.... کیا میرے محبوب! تو میرا نہیں ہے......... میں تو صرف تیرے سینہ پر ایک پھول کی طرح پڑے رہنے کے لئے پیدا ہوا ہوں......... اگر تو چاہے تو شعلۂ دوزخ میں تیرے لئے جل بھی سکتا ہوں!!!

"ایک گلدستہ"

میرے پھول "شراب و عسل و شیر" کی مانند تھے!
میں نے انہیں ایک ریشمی فیتہ میں باندھ کر گلدستہ بنا لیا۔
لیکن وہ میری احتیاط و نگرانی کے باوجود ہوا میں منتشر ہو گئے!
اور میرے پاس صرف خوشبو باقی رہ گئی!

میرے گیت "شراب و عسل و شیر" کی مانند تھے!
میرے دل میں محوِ ترنّم تھے مگر طائرانِ آزاد کی طرح وہ
ایک دن اُڑ گئے! جو میرے لمحاتِ فرصت کے
بہترین ہمنشین اور رفیق تھے!

.......انہیں کون روک سکتا تھا!........ وہ طائرانِ آزاد
کی طرح اُڑ گئے!..... پَر پھیلا کر ایک "ساحلِ
نامعلوم" کی طرف اور میرا دل خاموشی کے ساتھ
دھڑکتا رہا جس طرح موجیں پُرسکون سمندر کے
ساحل سے ٹکرایا کرتی ہیں!

میں جس جمال کی محبت میں سرشار تھا اس کے
لب ایسے تھے جیسے قرمزی شفق!
آنکھیں ایسی کالی جیسے بھنورا!
میں نے اپنے دلی جذبات کو قابو میں کیا مبادا کہ وہ ڈر جائے۔
لیکن وہ پھر بھی مجھے "پھولوں" اور "گیتوں" کی طرح تنہا
چھوڑ کر چلا گیا!..... سوگوار اور رنجیدہ!!!

"رادھا کے نغمہ ہائے محبّت!"

کرشن کنھیا کی یاد میں
دو رُوحانی گیت

پہلا گیت!

(جھٹپٹے کے وقت)

اے سکھیو! جلدی کرو، میرا حبیب کرشن مُراری آتا ہے،
جلدی کرو اور مجھے معطّر کرنے کے لئے صندل اور زعفران کا محلول لاؤ
زیبِ تن کرنے کے لئے عمدہ عمدہ چمکدار ملبوس لاؤ، جن میں جھٹپٹے کیوقت

کی نیلگوں چمک ہو۔ صبح کے گلابی غازہ کی جھلک ہو یا شعلہ زن دوپہر کا سنہری رنگ ہو! چمکدار جواہرات سے مرقع ایسا محرم لاؤ جس سے ستارے شرما جائیں!"

کمر کی ایسی روپہلی زنجیر لاؤ اور ایسا ہار کہ انہیں دیکھ کر چاند کا رنگ پھیکا پڑ جائے!"

بہنو! جلدی کرو، میرا حبیب، کرشن مُرارِی آتا ہے جلدی کرو.......!

چاندی کی طرح سپید، اور سرخ، مونگے کی طرح قرمزی نو شگفتہ پھول اور نیم بستہ کلیاں چُن کر میرے حبیب کی سیج سجاؤ" سبز ڈالیوں کے ہاروں نے ڈیوڑھی تاریک کر دی! اے سکھیو! ......ٹھیرو........ ذرا سُننا!........ کیا میرے حبیب کی بانسری کی آواز ہے؟"

ہائے! اس نے اتنی دیر کیوں لگائی؟

پیپل کے پتہ کی طرح میرا دل دھڑک رہا ہے، نرم نرم موجوں کی طرح میرے مضمحل اعضا پھڑک رہے ہیں، اے جمنا...... پریم کی رس بھری ندیا...... گا! ...... ایک عروسی نغمہ!"

دوسرا گیت

(پو پھٹنے کے وقت)

"اے میرے محبوب! تمام رات میرا دل شب بیداری کرتا رہا، تیری آواز سننے کے لئے بے قرار رہا اور از حد رویا...... اے میرے راجا! ...... گھنشیام ...... تیرے پیغام رسان قدم کس راستہ پر آوارہ ہو گئے؟ ...... تو کہاں چلا گیا؟"

"میری نقاب عروسی فرش پر ایک طرف پڑی ہے۔ میرے گلے کے عروسی ہار دروازہ کی چوکھٹ پر بکھرے پڑے ہیں، میری سیج پر جو معطر پھول اور کلیاں رات کو ڈالی گئی تھیں، اب مرجھا کر باسی ہو گئیں .... مگر تو نہ آیا .... میرے محبوب! ...."

او بانسری والے! تو کس قدر جلد اپنے نغمہ کی مسرتوں سے تھک جاتا ہے .... کچھ اور الاپ!
کیا تجھے میرے سینہ کے ہجوم جذبات کی پروا نہیں
.... اور کیا تو کوئی نیا گیت نہیں سنائیگا؟

آہ! کس کی ہیں وہ خوش قسمت انگلیاں جو زلفوں کے

گھنے جنگل کو اس طرح سنوارتی ہیں جیسے ہرنوں کا کوئی گلّہ کلیلیں کرتا پھرتا ہو،

آہ!......... کس کے ہیں وہ خوشنما لب جو میرے غنچۂ دہن کی پتیوں کو منتشر کر کے ملول کر دیتے ہیں،

اے میرے راجہ .... گھنشیام .... تیرے بغیر میری زندگی بے کیف ہے .... محبّت کی آگ (اس چراغ کی طرح جس میں سنہری تیل بھرا ہوا ہو) ہمیشہ شعلہ زن رہتی ہے! آ!......... آ! .... اے میرے محبوب، اپنی گردش سے واپس آجا..... آجا..... میرے پاس آجا....... !"

مشہور ادیب قاضی عبدالغفار صاحب کی شاہکار تصنیف

لیلےٰ کے خطوط

معہ

روزنامچہ

دو عکس فطرت انسانی کے - ایک فریاد ہے غم نصیب عورت کی - ایک داستان ہے عیش پرست مرد ظالم کی جس طرح لیلےٰ کے خطوط اردو ادب میں ایک نیا اقدام ہے اسی طرح "روزنامچہ" بھی نفسیات کا ایک نیا مطالعہ ہے

قیمت ہر دو حصص ۲ روپے

دارالادب پنجاب بارود خانہ سٹریٹ لاہور

"اُس نے کہا"

کہ جو کوئی انسانی زندگی کی معنویت ۔ اور اس زندگی کے

رُوحانی حقایق

کا ایک عکس پیش پا افتادہ حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہے وہ میرے اقوال کا مطالعہ کرے

"اُس نے کہا"

کوئی مذہبی کتاب نہیں، نہ کوئی اخلاقی موعظت نامہ ہے ۔ وہ صرف ایک ارفع زندگی کا فلسفہ ہے، جو ادب لطیف کے بہت ہی حسین لباس میں پیش کیا گیا ...

... صاحب

قیمت ...

پتہ:- دارالادب پنجاب اردو خانہ سٹریٹ لاہور